امیر جماعتِ اسلامی ہند

کی

مولانا مدنی رح

سے مُراسلت

مطبوعات اشاعتِ اسلام ٹرسٹ ـــــ ۱۶۶

امیرِ جماعت اسلامی ہند

کی

مولانا مدنیؒ سے مراسُلت

مرکزی مکتبہ اسلامی - دہلی

بار اوّل ——— جنوری ۱۹۸۴ء ——— ۲۰۰۰

قیمت۔ نو ۹ روپے

مطبع : دہلی پرنٹنگ پریس، دہلی ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ

عرضِ ناشر

آج کل تحریکِ اسلامی کے خلاف علماءِ کرام کے ایک مخصوص طبقہ کی طرف سے فتوؤں کی ایک باقاعدہ مہم شروع کی گئی ہے ان فتوؤں میں اکثر فتوے تو ایسے ہیں کہ ان پر گفتگو کرنا ہم مطلقاً تضیعِ اوقات سمجھتے ہیں لیکن اس ضمن کے بعض فتوے ایسے بھی ہیں جن سے تعرض کرنا غالباً اظہارِ واقعیت کے پہلو سے مفید ہوگا لیکن ان فتوؤں سے الگ الگ بحث کرنے کے بجائے یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے دنوں حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی اور مولانا ابواللیث ندوی امیر جماعت اسلامی ہند کے مابین جو خط وکتابت ہوئی ہے وہ شائع کردی جائے۔ مولانا مدنی مدظلہٗ کے مکتوب گرامی میں مخالفین کے نقطۂ نظر کی پوری پوری ترجمانی ہوگئی ہے۔ اس لیے ان کا مکتوب گرامی مخالفین کا نقطۂ نظر سمجھنے کے لیے اور امیر جماعت کا مکتوب، جماعت کا نقطۂ نظر معلوم کرنے کے لیے کافی ہوگا۔

"ناشر"

خط بنام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی

مرکز جماعت اسلامی ہند ۔ رام پور یوپی
۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳۷۰ھ

باسمہ تعالےٰ

محترم المقام السلام علیکم ورحمتہ اللہ

جماعت اسلامی ہند کا کل ہند اجتماع ۲۰۔۲۱۔۲۲ اپریل ۱۹۵۱ء کو رامپور میں ہو رہا ہے جس کا دعوت نامہ ارسالِ خدمت ہے۔

میں اس عریضہ کے ذریعہ آں جناب کو اس اجتماع میں شرکت کی خصوصیت سے دعوت دینا چاہتا ہوں۔

اس موقع پر ہم انشاء اللہ جماعت اسلامی کی دعوت کو تفصیل سے پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہ موقع ہمارے کام کو سمجھنے اور قریب سے دیکھنے کے لیے بہت زیادہ مناسب ہوگا۔ ہمیں امید ہے کہ آنجناب اس میں شرکت فرما کر ہمیں شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ ہماری دعوت کو سمجھ لینے اور قریب سے دیکھ لینے کے بعد آپ کے مشورے ہمارے لیے نفع بخش ثابت ہوں گے۔

اپنی شرکت کے فیصلے سے ہمیں ۱۰ اپریل ۵۱ء تک مطلع فرمائیں تاکہ انتظامات میں سہولت ہو۔

والسلام ابواللیث

مکتوب امیر جماعت بنام مولانا سید حسین احمد صاحب

مرکز جماعت اسلامی ہند۔ رام پور۔ یوپی

مورخہ ۱۲ اپریل ۱۹۵۱ء

مخدومی السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

جماعت اسلامی کے سالانہ اجتماع میں آں جناب کی شرکت کے لیے ایک دعوت نامہ کئی روز ہوئے ارسالِ خدمت کیا گیا تھا۔ اب تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ نے اسے قبول فرمایا یا نہیں۔ جمعیۃ العلماء کے سالانہ اجتماع کی وجہ سے آں جناب کی مصروفیتوں کا بخوبی اندازہ ہے لیکن ان دونوں اجتماعات کی تاریخوں میں اتنا تفاوت ہے کہ آپ تھوڑا سا وقت ہمیں بھی مرحمت فرما سکیں گے ہمارا اجتماع انشاء اللہ ۲۰ اپریل ۵۱ء سے شروع ہوگا۔

آں جناب سے ملنے کا اشتیاق تو بہت عرصہ سے ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں میں نے خط و کتابت بھی کی تھی لیکن بدقسمتی سے آپ اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے اس وقت کوئی وقت نہیں دے سکے۔ اس کے بعد مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے ذریعے وقت کے تعین کی خواہش کی تھی۔ لیکن اس موقع پر بھی ملاقات کی کوئی سبیل پیدا نہیں ہو سکی۔ بہر حال میں متعدد مسائل پر تبادلۂ خیال کی ضرورت شدت سے محسوس کر رہا ہوں، اور بہت سے اُمور میں آں جناب سے کچھ مشورے بھی کرنے ہیں۔ اگر اس اجتماع کے موقع پر آپ تشریف لے آسکیں تو یہ ہماری عزت افزائی کا بھی موجب ہوگا اور یہ پیشِ نظر مقصد بھی حاصل ہو سکے گا۔ لیکن اگر خدانخواستہ یہ ممکن نہ ہو تو پھر اجتماعِ حیدرآباد سے واپسی کے بعد آپ مجھے کوئی موقع عنایت فرمائیں تو انشاء اللہ میں خود حاضر

ہوں گا۔

اس وقت فوری مسئلہ جس پر میں گفتگو کی میں سخت ضرورت محسوس کر رہا ہوں وہ دارالافتاء دیوبند کا فتویٰ ہے جو سہارنپور سے ________

"مودودی فتنہ کو مٹا دو"۔ "مودودی فتنہ کو مٹا دو"۔

"مودودی تحریک مہلک اور زہر قاتل ہے"۔

"مودودی کے ہم خیال گمراہ ہیں"۔

"مودودیوں کے پیچھے نماز نہ پڑھو"۔

کی موٹی موٹی سرخیوں سے شائع ہوا ہے۔ معلوم نہیں یہ فتویٰ آں جناب کی نگاہ سے بھی گزرا ہے یا نہیں؟ یہ فتویٰ قدرتی طور پر ان تمام لوگوں کے لیے انتہائی حد تک تکلیف دہ اور دل آزار ہے جو تحریک اسلامی کو حق سمجھ کر اس میں شریک ہوئے ہیں یا اس کو حق سمجھتے ہیں۔ ایسے فتویٰ کا دارالعلوم دیوبند سے شائع ہونا جہاں آپ جیسے محتاط حضرات موجود ہیں، ہمارے لیے انتہائی حیرت اور قلق کا موجب ہوا ہے۔ بالخصوص ایسی حالت میں کہ ان اُمور کے بارے میں جن پر اس فتوے کی بنیاد قائم کی گئی ہے۔ متعدد بار ہماری طرف سے توضیحات شائع کی جا چکی ہیں اور جن کے بارے میں ذمہ دارانِ دارالعلوم سے براہ راست خط و کتابت بھی ہو چکی ہے جس کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔ امید ہے آنجناب جواب سے جلد مشرف فرمائیں گے۔

والسلام

ابواللیث

تیسرا خط بنام مولانا حسین احمد صاحب مدنی

جماعت اسلامی ہند۔ رام پور۔ یوپی

مورخہ ۲۵ رجب ۱۳۷۰ھ

مخدوم و محترم السلام علیکم۔

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ کم و بیش دو ہفتے ہوئے ایک رجسٹرڈ خط میں نے ارسالِ خدمت کیا تھا لیکن بدقسمتی سے اب تک اس کے جواب سے محروم ہوں۔ غالبًا اجتماعِ سالانہ کی وجہ سے جواب لکھنے کی فرصت نہ ملی ہو۔ بہر حال اگر تھوڑا سا وقت نکال کر اس کا جواب مرحمت فرمائیں تو بڑی عنایت ہوگی۔

مذکورہ خط بھیجنے کے بعد ہی یہ ہوا ہے کہ آں جناب کا کوئی گرامی نامہ یہاں کے ایک صاحب کے نام آیا ہے جس میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جماعت اسلامی کی ہر طرح مخالفت کی جائے اور اس خط میں جیسا کہ مجھے بتایا گیا ہے یہ بھی درج ہے کہ جماعت اسلامی کی کتابیں اساتذہ کی ایک کمیٹی کے سپرد کی گئی ہیں کہ وہ ان کی غلطیاں چھانٹ کر الگ کریں۔ میرے خیال میں یہ کمیٹی کی تشکیل بہت اچھی بات ہے۔ بلکہ میرا تو خیال ہے کہ یہ کام آج سے بہت پہلے ہو جانا چاہئے تھا۔ ہم خود اس کے منتظر ہیں اور اس کی بابت میں گزشتہ سال خود آں جناب کو بھی لکھ چکا ہوں کہ ہمیں متعین طور سے بتایا جائے کہ جماعت اسلامی کی دعوت میں کیا غلطیاں ہیں؟ بہر حال اگر اس وقت یہ نہیں ہو سکا تو کوئی حرج نہیں ہے، اب بھی اس کا موقع باقی ہے۔ لیکن اس کے سلسلے میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اگر آپ نامناسب نہ خیال فرمائیں تو کم از کم کمیٹی کے آخری نتائج تحقیق کے سامنے آنے تک ان فتوؤں کا سلسلہ روک دیا جائے جو دار العلوم کے دار الافتاء سے اس وقت پیہم شائع

ہو رہے ہیں۔

اور دوسری درخواست یہ ہے کہ دارالعلوم کی طرف سے کوئی آخری فتویٰ شائع کرنے سے پہلے تھوڑا سا موقع ہمیں اس بات کا عنایت کیا جائے کہ ہم جماعت اسلامی کی دعوت اور اس پر اعتراضات کے ضمن میں اپنا نقطہ نظر پیش کر سکیں۔ میں دیانت داری کے ساتھ محسوس کر رہا ہوں کہ جماعت اسلامی کی مخالفت میں بعض اصولی باتیں بالکل نظر انداز کی جا رہی ہیں اور مخالفت میں وہ انداز اختیار کیا جا رہا ہے جو علماء دیوبند کی ذمہ داریوں کے شایانِ شان نہیں ہے۔ اس لیے میں صرف جماعت اسلامی کی خیر خواہی کے جذبے کے تحت نہیں بلکہ اگر گستاخی نہ سمجھی جائے تو خود مخالفت کرنے والوں کی خیر خواہی کے جذبے سے اس بات کا خواہش مند ہوں کہ آخری رائے قائم کرنے سے پہلے میں ایک بار جماعت اسلامی کا مقصد اور طریق کار وغیرہ پیش کر سکوں۔ اس کے بعد میری ذمہ داری بالکل ختم ہو جائے گی اور آپ حضرات اپنے فیصلے کے خود مختار ہیں۔

میں اس خط کے جواب کا منتظر رہوں گا۔

والسلام
ابواللیث

مکتوب گرامی مولانا مدنی مدظلہٗ بنام امیر جماعت اسلامی

در مجلسِ خود راہ مدہ ہمچو منے را
افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ۔

والانامہ باعثِ سرافرازی ہوا۔ اس سے پہلے دعوت نامہ بھی پہنچا تھا۔ اجلاسِ سالانہ جمعیتہ کے سرپر آجانے کی وجہ سے میری مصروفیتوں کے عذر کا جناب نے صحیح طور پر اندازہ کیا۔ مگر اس کے علاوہ اور بھی ایسے ہی یا اس سے زائد قوی اعذار اس وقت درپیش ہیں اور وہ دار العلوم کا سالانہ امتحان ہے جو کہ رجب کی آخری تاریخوں سے شروع ہوکر ۲۳-۲۴ شعبان پر ختم ہوتا ہے۔ نیز دار العلوم کے تعلیمی سال کا اختتام ہے جس میں کتب مفوضہ بخاری شریف اور ترمذی شریف کا ختم کرانا ہے۔ جس کو ۲۷-۲۸ شعبان تک انجام دینا ہے۔ یہ امور علاوہ ان امور کے ہیں جو کہ تمام سال میں انتہائی مصروفیتوں کے باعث ہوتے ہیں۔ جن موٹی موٹی سرخیوں والے اشتہارات کا آں جناب ذکر فرماتے ہیں ان کا مجھ کو آپ کے والانامہ سے پہلے کوئی علم نہ تھا۔ صرف سہارنپور سے ایک رسالہ مسمّٰی بہ "کشف حقیقت یعنی تحریکِ مودودیت اپنے اصلی رنگ میں" ایک صاحب نے بھیجا تھا، اس کا البتہ علم ہوا تھا۔

محترما! میرا پہلے یہ خیال تھا کہ آپ کی تحریک اسلامی مسلمانوں کی علمی اور عملی، دنیاوی اور دینی کمزوریوں اور ان کے انتشارات کے دور کرنے اور مسلمانوں کو منظم کرنے تک ہی محدود ہے، اگرچہ طریق تنظیم میں اختلاف رائے ہو، اس لیے میں نے اس کے خلاف آواز اٹھانا یا تحریک کرنا کبھی مناسب نہ سمجھا تھا اگرچہ افراد جماعت اور قائد جماعت کی طرف سے بسا اوقات

ناشائستہ کلمات تقریر اور تحریر میں معلوم ہوئے مگر ان سب سے چشم پوشی کرنا ہی انسب معلوم ہوا مگر آج جبکہ میرے سامنے اطراف وجوانب ہند و پاکستان سے آنے والے مودودی صاحب کی تصانیف کے اقتباسات کا ڈھیر لگا ہوا ہے اور پانی سر سے گزر گیا ہے تو میں ان کے دیکھنے اور سمجھنے سے مندرجہ ذیل نتیجہ پر پہنچنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں۔

آپ کی تحریک "اسلامی" خلاف سلف صالحین مثل معتزلہ، خوارج، روافض، جہمیہ وغیرہ فرق قدیمہ اور مثل قادیانی، چکڑالوی، مشرقی، نیچری، مہدوی، بہائی وغیرہ فرق جدیدہ ایک نیا اسلام بنانا چاہتی ہے اور اس کی طرف لوگوں کو کھینچ رہی ہے۔ وہ ان اصول وعقائد و اعمال پر مشتمل ہے جو کہ اہل سنت والجماعۃ اور اسلاف کرام کے خلاف ہیں۔

(۱) وہ قرآن شریف کی تفسیر بالرائے کی قائل ہے۔ ہر وہ پروفیسر جو کہ ملحدان یورپ اور ان کی نئی روشنی کا حامل اور تھوڑی بہت عربی زبان سے واقف ہے اس کے نزدیک یہ حق رکھتا ہے کہ اپنی رائے اور اپنے مذاق سے تفسیر کر کے مسلمانوں کے لیے مشعل راہ بنے اور یہی آپ کے یہاں ہو رہا ہے۔ خواہ اس کی تفسیر کتنی ہی سلف صالحین اور اقوال صحابہ کرامؓ کے خلاف ہو۔

حالانکہ سب سے پہلے یہی فتنہ اسلام میں پیدا ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تحکیم پر اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ کی تفسیر بالرائے کر کے بارہ ہزار کی جماعت نے بغاوت کی اور علیحدہ ہوئے۔ اس کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کَلِمَۃُ حَقٍّ اُرِیْدَ بِھَا الْبَاطِلُ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو سمجھانے کے لیے بھیجا اور فرمایا کہ قرآن ذو وجوہ ہے، ان لوگوں کو سنت سے سمجھانا۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سمجھایا جس پر آٹھ ہزار افراد تائب ہو گئے۔ مگر چار ہزار اپنی ضد اور رائے پر قائم رہے اور تکفیر وقتل کا بازار گرم کرتے رہے۔ یہی فرقہ خوارج کے نام سے مشہور و معروف ہوا۔ اس کے بعد اس تفسیر بالرائے کی وبا اس قدر پھیلی کہ نہ صرف مسئلہ تحکیم میں بلکہ دیگر مسائل میں بھی اپنی آراء کو عمل میں لایا گیا۔ مرتکب کبائر وغیرہ دیگر مسائل میں بہت زیادہ افراط وتفریط جاری ہوئی اور نہ صرف خوارج ہی کی حد تک اس کی محدودیت رہی بلکہ فتنہ ہائے معتزلہ، روافض، جہمیہ، کرامیہ، مجسمہ، مرجیہ وغیرہ اسی تفسیر بالرائے کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئے۔ اہل سنت والجماعۃ ہمیشہ اتباع سنت اور اسلاف

صالحین کرام اور افاضل تابعین کو پیشوا اور رہبر بناتے ہوئے اپنی آراء اور مذاق کو انھیں کے رنگ سے رنگ کر فائز المرام ہوتے رہے اور ھُمْ مَآ اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ کی سند حاصل کرتے رہے۔ یہی بعینہٖ واقعہ ان ازمنۂ اخیرہ میں پیش آیا۔ نیچریہ، قرآنیہ (اتباعِ چکڑالوی) قادیانیہ خاکساریہ، بہائیہ وغیرہ نے بھی یہی تفسیر بالرائے اور اپنی عقل و مذاق کو پیشوا بنانا اور نصوص کو اس طرف کھینچنا یا ترک کر دینا اختیار کیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پیش بندی کرتے ہوئے فرما دیا تھا: مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِرَاْیِهٖ فَقَدْ کَفَرَ (او کما قال) کیا تعجب کی بات نہیں ہے کہ وہ صحابہ کرام اور ان کے تلامیذ جن کی مادری زبان عربی تھی اور جنہوں نے وحیِ خداوندی کا مشاہدہ کیا تھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود اور آپ کے اعمال و سنن کو دیکھنے والے تھے اور تابعین جو کہ مشاہدین وحی کے شاگرد رشید تھے ان کی تفسیریں تو بالائے طاق رکھدی جائیں اور ان کو مردود اور غلط قرار دے دیا جائے اور ان کے مقابلہ میں تیرہ سو برس بعد کے پیدا ہونے والے عجمی اشخاص جن کو زبان عربی اور اس کے ادب اور اصولِ دین وغیرہ میں کوئی مہارتِ تامہ بلکہ ناقصہ بھی نہ ہو صرف کیمرج یا آکسفورڈ یا کسی یونیورسٹی یا کالج کی ڈگریوں اور معمولی عربیت کی بنا پر ان کی تفسیروں کو معتمد علیہ قرار دے دیا جائے اور جن لوگوں کی عمریں زبان عربی اور علوم دینیہ میں پڑھتے پڑھاتے گزر گئی ہیں ان کی تفسیر کو غلط اور تاریک خیالی قرار دیا جائے اور پروفیسرانِ علوم ملاحدۂ یورپ کی ستم ظریفیوں کو مُراد خداوندی اور مقصودِ الٰہی بتایا جائے۔ کیا کوئی عقلمند یا کوئی قوم اس بات کو روا رکھتی ہے کہ کسی فوجی کالج کے سند یافتہ کو یا انجینیرنگ کالج کے فارغ التحصیل کو اگرچہ ان کی ڈگریاں کتنی ہی اونچی کیوں نہ ہوں میڈیکل ڈیپارٹمنٹ میں کام کرنے اور بیماروں میں معالجہ کو عمل میں لانے کی اجازت دی جائے گی جبکہ وہ کسی میڈیکل کالج کی طبی سند بھی نہیں رکھتا ہے۔ ہر شخص جانتا اور سمجھتا ہے کہ ایسا کرنا انسانوں کو برباد کرنے کے مرادف ہے اور بجائے نفع رسانی مضرت اور بجائے تعمیر تخریب کا باعث ہوگا۔ یہی حال ایسے مفسرین کی تفسیر بالرائے کا ہے جو سلفِ صالحین کی تفسیروں اور اصول دینیہ کے خلاف بجائے ہدایت ضلالت اور گمراہی کا پیش خیمہ ہوگی۔

(۲)، وہ پیغمبر اسلام حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے قیاسات اور اٹکلوں پر چلانے والا بتلاتی ہوئی تاریخی واقعات کے ذریعے سے احادیث صحیحہ اور حسنہ کو ردی کی ٹوکری کی نذر کرتی ہے۔

حالانکہ آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ پیغمبروں کی جملہ تبلیغات کو وحی خداوندی قرار دیتی ہیں۔ دنیاوی مشوروں اور جزئیات یومیہ اور روزمرہ کی ضروریاتِ زندگی پر اخبار ہائے نبویہ اور احکاماتِ سماویہ تبلیغیہ کو قیاس کرنا سراسر تلبیس اور مخالفت نصوص قطعیہ ہے، ابتداع فی الدین کی کھلی ہوئی تجویز ہے۔

(۳)، وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو سقیم یا صحیح، غیر حقیقی المراد روایات کی بناپر مثل روافض غیر قابلِ وثوق اور ہدفِ ملامت بناتی ہے۔

حالانکہ انہیں کے اعتماد اور ثقاہت پر پیچھے آنے والوں کے لیے اسلام کا مدار ہے۔ اگر معاذاللہ یہی اولین اساتذۂ اسلام غیر قابل اعتماد ہوں گے تو عمارت دینِ اسلام بالکل ڈھ جائے گی۔ قرآن شریف اور احادیثِ صحیحہ میں ان کی جگہ جگہ پر تعدیل کی گئی ہے۔ بے شمار آیات اور احادیث اور کتب سابقہ ان کو معتمد علیہ قرار دیتے ہیں اور زوردار الفاظ میں ان کی مدح سرائی کرتے ہوئے تمام انسانوں سے افضل اور اعلیٰ قرار دیتے ہیں۔ اس دروازہ کے کھلنے سے تمام دینی اصول و فروع ملیامیٹ ہوجاتے ہیں۔

(۴)، وہ صحابہ کرام کی متعدد روایتوں کو خواہ کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہوں ان کی خوش اعتقادی پر مبنی بناتی ہوئی واقعیت سے دور کردیتی ہے، حالانکہ اس دروازے کے کھلنے سے تمام معجزات اور اعلیٰ ترین اخلاق و اعمال نبویہ کی عمارت بالکل کھوکھلی ہوجاتی ہے اور ملاحدہ کو اس سے بڑا کاری ہتھیار ہاتھ آجاتا ہے۔

(۵)، وہ احادیث صحیحہ کے راویوں اور ائمہ حدیث کو مجروح اور غیر ثقہ بناتی ہوئی اقوالِ ضعیفہ یا غیر ظاہر المراد اقوالِ صحیحہ یا ان کے خود غرض اہل اہواء دشمنوں کے اقوال پیش کرتی ہے اور مشاہیر عالم ائمہ ثقات کو غیر قابل اعتبار قرار دیتی ہے حالانکہ اس سے تمام ذخائر احادیث بالکل فنا ہو جاتے ہیں۔ اور لَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا کا سماں پیش آجاتا ہے۔

(۶)، وہ تقلید شخصی کو نہایت گمراہی اور ضلالت قرار دیتی ہے حالانکہ یہ امر آیات قرآنیہ

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ الآیۃ وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ الآیۃ وَمَنْ یَّتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ الآیۃ کی بناپر فی زماننا (جبکہ اہل علم وجامعینِ شروطِ اجتہاد معدوم ہیں جیساکہ چوتھی صدی کے بعد سے آج تک کے احوال اور وقائع تبلارہے ہیں) تمام مسلمانوں پر واجب ہے اور تارک تقلید نہایت خطرہ اور گمراہی میں مبتلا ہے اس سے ایسی آزادی کا دروازہ کھلتا ہے جوکہ دین اور مذہب سے بھی بے گانہ بنا دیتا ہے اور فسق وفجور میں مبتلا کر دینا تو اس کا معمولی اثر ہے۔

(۷) وہ ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید کو گمراہی اور حرام بتلاتی ہے۔ حالانکہ یہ ائمہ کرام اپنے اپنے زمانے میں آفتاب ہدایت وتقوی اور علوم دینیہ اور فقہ کے نہایت روشن چراغ اور انابت الی اللہ کے درخشاں ستارے ہیں ان کی تقلید شخصی پر چوتھی صدی کے بعد تمام امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

(۸) وہ ہر پروفیسر اور ہر عامی کی رائے کو آزادی دیتی ہے کہ وہ اپنے مذاق اور اپنی آراء کو عمل میں لائیں اور مسلمانوں کو اس پر چلائیں خواہ اس سے سلف صالحین کے مذاق اور رائے کے کتنا بھی خلاف کیوں نہ ہو۔

حالانکہ منکرین تقلید بھی اس کے مخالف ہیں۔ ان کو بھی تجربہ کے بعد اس کی مضرتوں کا قوی احساس ہوا ہے۔ مولانا محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی جوکہ غیر مقلدوں کے نہایت جوشیلے امام تھے اور عدم تقلید کے زوردار حامی اور ہندوستان میں اس کے پھیلانے والے تھے، اپنے رسالہ اشاعت السنۃ لاہور جلد ۱۱ نمبر ۲ صفحہ ۵۱-۵۲-۵۳ میں لکھتے ہیں: "پچیس برس کے تجربے سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ ان میں سے بعض عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض لا مذہب جو کسی دین ومذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت سے فسق وخروج تو اس آزادی کا ادنیٰ نتیجہ ہے۔ ان فاسقوں میں بعض تو کھلم کھلا جمعہ، جماعت نماز اور روزہ چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ سود وشراب سے پرہیز نہیں کرتے اور بعض جو کسی مصلحتِ دنیاوی سے فسق ظاہری سے بچتے ہیں وہ فسق مخفی میں سرگرم رہتے ہیں۔ ناجائز طور پر عورتوں کو نکاح میں پھنسا لیتے ہیں۔ ناجائز حیلوں سے لوگوں کے اور خدا کے مال وحقوق کو دبا رکھتے ہیں۔ کفر و

ارتداد وفسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دین داروں کے لیے بے دین ہو جانے کے لیے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔" مختصراً

جس بے علمی کو مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی مذکور نے ذکر فرمایا ہے وہ تو اس زمانے میں عام طور پر اہل علم میں بھی موجود ہے۔ بالخصوص پروفیسروں اور انگریزی تعلیم یافتہ حضرات میں۔ یہ حضرات تو علوم اسلامیہ اور فنون عربیہ اور ادب عربی سے اسی طرح ناواقف ہیں جس طرح عوام مسلمین، اور اگر کسی میں عربی شُدبُد موجود بھی ہے تو وہ بمنزلہ عدم ہے۔ عموماً یہ حضرات اردو یا فارسی یا انگریزی ترجموں سے کام لیتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے جو لوگ کسی یونیورسٹی میں خواہ ہندوستانی ہو یا یورپین عربی کے ایم اے اور فاضل بھی ہیں وہ عربی درس گاہوں کے افاضل کے سامنے بمنزلہ طفل مکتب ہیں۔ نہ صحیح عبارت عربی قواعد کے مطابق پڑھ سکتے ہیں، نہ لکھ سکتے ہیں، نہ بے تکلف بول سکتے ہیں۔ اور اگر بعض چیدہ اشخاص میں ایسی قابلیت بھی پائی جاتی ہے تو وہ ان دیگر علوم سے یقیناً بے بہرہ ہوتے ہیں جن پر اجتہاد فی الدین کا علاوہ ادب عربی کے مدار ہے۔ چنانچہ مشاہدہ اور تجربہ ہے ایسی صورت میں ان پروفیسروں کو اجتہاد اور ترک تقلید کرنا اور اس کی اجازت دینا سراسر دین اور شریعت کی جڑ کھودنا اور ضلالت اور گمراہی کو پھیلانا ہے۔ ہم نے خود اس زمانہ کے مجتہدین مطلق کو آزما کر دیکھا ہے۔

(۹) وہ طرقِ تصوف اور سلوک اور اس کے اعمال کو جاہلیت اور الحاد و زندقہ قرار دیتی ہے۔ اس کو بدھ ازم اور یوگ بتلاتی ہے۔ حالانکہ انہیں طرق اور اعمال کو فی زمانتا اسلام اور ایمان کی تکمیل اور احسان ماموریہ کی تحصیل اور عبودیت کاملہ کا استحصال بغیر ان کے اسی طرح غیر ممکن ہے جیسے کہ فی زمانتا قرآن کا صحیح پڑھنا بغیر زیر و زبر و پیش و جزم و تشدید اور بغیر تجوید غیر ممکن ہے اور جیسے کہ قرآن و حدیث کو فی زمانتا سمجھنا اور ادبیت عربی کو حاصل کرنا بغیر صرف و نحو، معانی و بیان، بدیع اور کتب لغت غیر ممکن ہے۔ قرونِ اولیٰ کو تلاوتِ صحیحہ اور فہم معانی میں ان چیزوں کی حاجت نہ تھی۔ مگر آج ہم کو بغیر ان کے کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ خود ملک عرب اور عراق و شام و مصر کے باشندے بھی (جن کی مادری زبان اور روزمرہ کی بول چال عربی ہے) ان علوم کے آج ہماری طرح محتاج ہیں۔ کم و بیش کا فرق دوسری بات ہے۔

اختلاط بالعجم نے ان کو بھی عجمی بنا دیا ہے۔ زمانہ ہائے قدیمہ اور قرونِ اولیٰ میں احسان اور عبدیت کا ملکہ قرب زمانہ نبویہ کی بنا پر ان طرق و اعمال تصوف و سلوک کی محتاج نہ تھی مگر آج بغیر ان کے ان ماموربہا کمالات کا حاصل کرنا عادۃً غیر ممکن ہو گیا ہے۔ ان کو یوگ قرار دینا سراسر ظلم اور ناانصافی ہے۔

(۱۰) وہ سلف صالحین اور اولیاء اللہ سابقین کی شان میں نہایت زبان درازی کرتی ہوئی تحت گستاخانہ الفاظ استعمال کرتی اور اُن کو عوام الناس میں نہایت ذلیل و خوار کرتی ہے۔

حالانکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ مَنْ اٰذٰى وَلِيًّا لِيْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے۔ اُذْكُرُوْا اَمْوَاتَكُمْ بِخَيْرٍ اور تیسری جگہ ارشاد فرمایا۔ لَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا۔ جس سے تحذیر مقصود ہے۔

(۱۱) وہ حضرت مجدد الف ثانی حضرت شیخ سرہندی قدس سرہٗ العزیز اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ العزیز اور ان کے اتباع و احفاد اور دیگر ائمہ ہدیٰ حضرت خواجہ معین الدین چشتی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ اسرارہم ائمہ طریقت کو، مسلمانوں میں افیون اور ضلالت و گمراہی کے انجکشن دینے والی بتلاتی ہے۔

حالانکہ یہ وہ اکابر اور اسلاف کرام ہیں جنہوں نے تمام دنیائے اسلام میں دین اور سنت کو زندہ کیا اور ان کے فیوض و برکات سے لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کو وصول الی اللہ اور حقیقی تقوی کی نعمت حاصل ہوئی ان کے آثار و برکات سے تواریخ کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔

(۱۲) وہ مذکورہ بالا مشائخ طریقت رحمہم اللہ تعالیٰ کو یوگ اور بدھ ازم اور ضلالت کے پھیلانے والی بتاتی ہوئی ان کی تذلیل کرتی ہے۔

حالانکہ اعمالِ طریقت خواہ نقشبندیہ کے ہوں یا چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ وغیرہ کے یوگ اور بدھ ازم سے کوسوں دور ہیں۔ طریقت کی تعلیم سراسر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ اور توحید اور رسالت کی تعلیم اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و اقوال سے بھری ہوئی ہے۔

اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلنے کی تاکید کی ہے جس پر حضرت

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب شاہد عدل ہیں۔ دیکھو تصانیف امام ربانی و تصانیف حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور عوارف المعارف اور فتوح الغیب وغیرہ۔

(۱۳) وہ علماء ظواہر اور محافظین علوم شرعیہ کی شان میں سخت گستاخی کے الفاظ استعمال کرتی ہوئی عوام کو اُن سے متنفر کرتی ہے اور ان کی تذلیل و توہین عمل میں لاتی ہوئی غیر قابل اعتماد ٹھیراتی ہے اور عام مسلمانوں کو نئے اسلام اور اس کے لیڈر کی تقلید اور تابعداری کی طرف بلاتی ہے۔

حالانکہ اس پُر آشوب و فتن زمانہ میں جبکہ فسق و فجور، الحاد و کفر، ہوا پرستی اور خواہشات نفسانی کا چاروں طرف دور دورہ ہے، خدا اور رسول سے لوگ دور ہوتے جاتے اور شریعت کو پس پشت ڈالتے جاتے ہیں۔ ضروری تھا کہ محافظین شرع اور مبلغین دین و ہدایت کا وقار عوام میں قائم کیا جاتا اور احیاءِ دین اور اتباعِ شریعت کی صورتیں پیدا کی جاتیں۔ عوام کے اذہان میں اس کے برعکس توہین اور تذلیل کو گویا دین کے مٹانے کے مترادف ہے۔ یہی طریقہ تمام فرق مبتدعہ نے ہمیشہ سے جاری کر رکھا ہے۔ یہی طریقہ نیچریوں، قادیانیوں اور خاکساروں وغیرہ نے کیا۔ بلکہ مشرقی کا رسالہ ماہواری "مولوی کا ایمان" تو اس بات میں خوب کھیل کھیلا اور ہر مبتدع اور ضال اپنے عیوب کو چھپانے اور اپنی ضلالت و گمراہی کو پھیلانے کے لیے یہ ہی طریقہ عمل میں لاتا رہتا ہے۔

(۱۴) وہ احادیثِ صحیحہ کو صرف اپنی عقل اور اپنے مذاق سے مجروح قرار دے کر عام مسلمانوں کو ان سے منحرف کرتی ہے۔ حالانکہ سلف صالحین، صحابہ کرام، تابعین عظام، قرون مشہود لہا بالخیر نے ان کو قبول فرمایا ہے۔ اور جو شبہات اس پر وارد کیے جا سکتے تھے ان کے دفعیہ کی صورتیں بتائی ہیں۔ اپنی عقول اور اپنے مذاق کو ہم کتنا ہی اعلیٰ درجہ عطا کریں مگر وہ ناقص اور نارسا ہی ہیں جن پر تجربہ اور واقعات شہادت دیتے ہیں۔ احمق سے احمق شخص بھی اپنی عقل اور سمجھ کو سب سے اعلیٰ خیال کرتا ہے ؎

گر از بسیط زمیں عقل منعدم گردد
بخود گماں نبرد ہیچ کس کہ نادانم

(۱۵) وہ مثل خوارج اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ اور مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ الآیۃ کا لیبل لگا کر مسلمانوں کو کافر قرار دیتی ہے۔ حالانکہ یہ اس کی غلط تاویلات اور بے ربط توجیہات کا ثمرہ اور کلمۂ حق اُرِیْدَ بِھَا الْبَاطِل کا نتیجہ ہے۔ نیز سلف صالحین کی آراء اور اعمال سے بغاوت اور انحراف ہے۔

(۱۶) وہ چکڑالوی کی طرح ذخیرۂ احادیث کو بے معنے اور ہذیان بتلاتی ہے۔

حالانکہ ذخیرۂ احادیث دین متین کو اگرچہ وہ اخبار آحاد ہی کیوں نہ ہوں، ابتدائے اسلام سے لیکر آج تک اصول دین قرار دیا گیا ہے اور بہ نسبت روایات تاریخیہ ان کو بہت زیادہ قابلِ اعتماد سمجھا گیا ہے۔

(۱۷) وہ مثل فرق قادیانیہ اپنے قائداعظم اور امیر کو ایسا مختار بناتی ہے کہ اپنے مذاق سے جس حدیث کو چاہے قابل اعتماد قرار دے اور جس کو چاہے ردی کی ٹوکری میں پھینک دے۔

حالانکہ ایسی مطلق العنانی رائے اور حکم نہ کسی پہلے ازمنہ مشہود لہا بالخیر میں مانی گئی ہے اور نہ اس زمانۂ فتنہ وفساد میں مانی جاسکتی ہے (جبکہ رائے صائب، انابت کاملہ، علم کامل عنقاء ہو رہے ہیں) بلکہ حسب ارشاد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مَنْ کَانَ مِنْکُمْ مُسْتَنًّا فَلْیَسْتَنَّ بِمَنْ مَّاتَ فَاِنَّ الْحَیَّ لَا یُؤْمَنُ عَلَیْہِ الْفِتْنَۃُ ایسا امر موجودہ دور کے اشخاص میں انتہائی ضلالت کا پیش خیمہ ہے۔

(۱۸) وہ ذخائر فقہ کو غلط اور ذخیرہ ضلالت بتاتی ہوئی ترمیم اور اصلاح اور حذف کا حکم دیتی ہے اور مسلمانوں کے آج تک تیرہ سو برس کے عمل درآمد کو جاہلیت اور گمراہی بتلاتی ہے اور سب گزشتہ مسلمانوں کو غیر ناجی کہتی ہے۔ حالانکہ یہ ایسا فتنہ ہے کہ جس پر جس قدر بھی رنج اور افسوس کیا جائے بہت کم ہے۔

(۱۹) وہ مثل معتزلہ اور روافض وغیرہ اپنا سین بورڈ دفاتر وغیرہ پر "حقیقی توحید کا دفتر، جماعت موحدین حقیقی، کاملین اسلام" یا اس کے مرادف الفاظ میں لکھتی ہے۔ جس طرح معتزلہ اپنے آپ کو اصحاب العدل والتوحید کہتے اور لکھتے تھے۔ شیعہ اپنے آپ کو محبین اہل بیت لکھتے

اصحاب توحید ہیں اور نہ اہل بیت سے محبت رکھنے والے ہیں۔ اس قسم کے سین بورڈوں سے عوام مسلمین میں زمانہائے گزشتہ میں جو زہریلا اثر پھیلا وہ ان تاریخی واقعات سے ظاہر ہے جو کہ ازمنہ سابقہ میں معتزلہ، خوارج، روافض وغیرہ اور اہل سنت کے آپس میں پیش آئے اور ازمنہ اخیرہ میں بھی اسی قسم کی حرکتوں سے غیر مقلدوں، مقلدوں، قرآنیوں، نیچریوں، قادیانیوں، خاکساروں وغیرہ میں ظہور پذیر ہوئے۔ ہر ایک اپنے اس قسم کے سین بورڈوں سے دوسرے فرقوں پر اس قسم کا حملہ کرتا ہے کہ وہ اس کمال سے محروم اور خالی ہیں۔ غیر مقلد اپنے آپ کو اہل حدیث والتوحید کے خوشنما سین بورڈ سے مزین کر کے آوازہ بلند کرتا ہے کہ احناف حدیث نبوی سے محروم اور توحید سے خالی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

آپ کے سین بورڈ سے بھی یہی چرکا لگتا ہے کہ جو لوگ اسلامی جماعت کے ممبر نہیں ہیں وہ حقیقی موحد نہیں ہیں، وہ اسلامیت کا ملہ نہیں رکھتے۔ اس سے عوام کو جس قدر انتشار اور افتراق میں مبتلا کیا جاتا ہے وہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کا ادنیٰ اثر یہ ہوگا کہ اسلامی جماعت میں نہ داخل ہونے والے مشرک، کافر اور غیر ناجی ہیں۔ ہر ایک اپنی من مانی باتوں پر ہٹ کرے گا اور گالی گلوج، مناظرہ، مجادلہ، مار پیٹ وغیرہ کا بازار گرم ہوگا۔ اور عوام کو سنبھالنا قبضہ سے باہر ہو کر امت مسلمہ کو انتہائی مشکلات میں مبتلا کرے گا۔

محترما! دور حاضر کی ہم مسلمانان انڈین یونین کی مشکلات جو کہ اکثریت اور موجودہ حکومت کی طرف سے مسلمانوں کو گھیرے ہوئے ہیں۔ مہا سبھائیوں کی فرقہ وارانہ ذہنیت، آر ایس ایس کی اسلام دشمنی، آریوں کی جارحانہ مذہبی پالیسی اور مرتد بنانے کی جان توڑ کوششیں، مسلمانوں کی ہر قسم کی مادی اور روحانی کمزوری اور ان کی منتشر حالت ان میں احساس کمتری کا روز افزوں مرض ملحدان مغرب کی طرف سے الحاد و زندقہ کی مسموم آندھیاں، مادہ پرستی کی زوردار اسکولوں اور کالجوں کی تعلیم، نفوس انسانی کا دنیا اور مادی ترقی کا طبعی رجحان وغیرہ وغیرہ امور تو متقاضی تھے کہ مسلمانوں کے شیرازے کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنایا جاتا اور حکیمانہ اور عاقلانہ تنظیم میں لا کر ان کے خوف و ہراس، بدحواسی اور بزدلی، بے دینی اور بدعملی کو دور کیا جاتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی تحریک اس کے برخلاف دینی اور دنیاوی بربادی کی وبائی ہوا فضا میں پیدا کرتی ہے اور آئندہ کو

تمام ملک کو اس سے مسموم کر دینے کا سامان مہیا کیا جا رہا ہے۔ اس لیے میں مناسب جانتا ہوں کہ مسلمانوں کو اس تحریک سے علیحدہ رہنے اور مودودی صاحب کے لٹریچروں کے نہ دیکھنے کا مشورہ دوں۔

آپ حضرات کا یہ ارشاد کہ ہم کو مودودی صاحب کے اعتقادات اور شخصی خیالات سے سروکار نہیں ہے، ہم اس کا بار بار اعلان کر چکے ہیں، ایسا ہی ہے جیسے کہ مشرقی صاحب نے لوگوں کے اعتراضات کو تحریک خاکساران میں رکاوٹ دیکھ کر اعلان کیا کہ ہم تو مسلمانوں میں جنگی تنظیم اور حربی تعلیم اور اسپرٹ پیدا کرنا اور اس کو پھیلانا چاہتے ہیں۔ ہمارے عقائد اور ہماری تصانیف سے مسلمانوں کو کوئی سروکار نہیں ہے۔ پھر کیا ایسا ہوا اور جماعت خاکساران کیا اپنے لیڈر کے عقائد و اخلاق اور اس کی تصانیف کی گندگیوں سے محفوظ رہی؟ خود مودودی صاحب ہی کی زبان سے سُن لیجیے۔ دیکھیے الفرقان ۲،۷ ۳ ، ص ۱۰۹ بابت ماہ صفر و ربیع الاول بعنوان "خاکسار تحریک اور علامہ مشرقی"۔

محترما! جب کوئی تحریک کسی شخص کی طرف منسوب ہوگی تو وہ قبلۂ توجہ ہوگا اور اس شخص کے عقائد اور اخلاق کا اثر اس کے ممبروں پر طبعی طور پر ضرور پڑے گا۔ خصوصاً جبکہ مودودی صاحب کے لٹریچر برابر زوردار طریقے پر شائع کیے جا رہے ہیں اور ممبروں اور غیر ممبروں کو ان کے مطالعہ کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ ایسے وقت میں وہ زہریلے مواد جو نہایت چالاکی سے زوردار تحریر میں رکھے گئے ہیں اپنے اثر سے خالی نہیں رہ سکتے۔

میرے محترم! امور مذکورہ بالا کے ہوتے ہوئے میں نہیں سمجھ سکتا کہ جناب سے شرف ملاقات سے کیا نتیجہ حاصل ہو سکتا ہے۔ میں ایک پرانا مسلمان اور مقلد حنفی، خادم مشائخ طریقت ہوں۔ آپ حضرات نئے اسلام کے روشن چراغ ہیں۔ میں مسلمانوں کو سلف صالحین کے راستے پر چلانا اور دیکھنا چاہتا ہوں اور اسی میں ان کی نجات سمجھتا ہوں۔ آپ حضرات مودودی صاحب کے نئے اسلام پر مسلمانوں کو چلانا چاہتے ہیں ان کی تجدید اور احیاء کو جو کہ حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت سید احمد شہید وغیرہ رحمہم اللہ کو بھی نصیب نہیں ہو سکی،

جوکہ مسلمانوں میں اُس وقت سے لے کر آج تک جاری رہی اور ہر مقتدی اور امام اسلام بجز شرذمہ قلیلہ اس میں مبتلا رہا اس سے نجات دلانا چاہتے ہیں۔ پھر اس اصولی بون بعید پر کیا امید ہے کہ آپ مجھ پر کوئی اثر ڈالیں اور میں آپ پر کوئی اثر ڈال سکوں۔ آپ اس تحریک کو عرصہ دراز سے چلا رہے ہیں کئی برس ہو چکے ہیں کبھی آپ نے دیوبند تشریف ارزانی کی تکلیف گوارا نہ فرمائی، نہ آپ نے جمعیتہ علماء کے دفتر میں آکر اس کے کارکنوں سے تبادلۂ خیالات کر کے مسلمانوں کی بہتری کی راہ پر غور و فکر فرمایا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ آج کس وجہ سے آپ کو اس طرف توجہ ہوئی ہے۔

بہرحال میں آپ کی توجہ کا شکر گزار ہوں مگر اس بون بعید کے ہوتے ہوئے مجھ کو کوئی امید فائدہ مند نہیں معلوم ہوتی۔ خصوصًا جب کہ آپ کا رامپور کا جلسۂ عام بڑے درجے پر آپ کو پہنچا چکا ہے تو بجز اس کے کہ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ کہہ کر آپ کو تکلیف فرمانے کی زحمت سے سبکدوش کروں اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میں حیدر آباد کے اجلاس اور دیگر مصروفیتوں کی بنا پر اس عریضے کو پورا نہ کر سکا تھا کہ آپ کا دوسرا والا نامہ جوابی رجسٹری والا باعث سرافرازی ہوا۔ اس کا بھی میں شکر گزار ہوں جیسے کہ پہلے والا نامہ کا شکر گزار ہوں۔

میرے محترم! مذکورہ بالا مضامین جوکہ بہت زیادہ اقتباسات سے لیے گئے ہیں بجائے خود مایوس کن ہیں۔ دار الافتاء کے مضامین کا جناب کو شکوہ ہے اور اس کے روکنے کا تا اجتماع حکم دیتے ہیں۔ اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ دار الافتاء، دار العلوم میں ایک مستقل ادارہ ہے اس کے سرپرست جناب مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب ایک معمّر تجربہ کار فاضل و محقق ہیں۔ روزانہ ان کے پاس تیس چالیس بلکہ اس سے زائد استفتاء آتے رہتے ہیں جن کے جوابات ان کو چکانے ضروری ہوتے ہیں۔ تحریک اسلامی مذکورہ کے متعلق بھی جب وہ مجبور ہوئے اور استفتوں کی بھرمار ہو گئی تو ان کو قلم اٹھانا اور مودودی صاحب کی تصانیف کا مطالعہ کرنا پڑا ان کے پاس ان تصانیف کا معتد بہ ذخیرہ بھی ہے ان کا روکنا میرے اختیار سے باہر ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے۔ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اِجْتِنَابَهٗ۔ آمین۔ والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ از دار العلوم دیوبند

۲ شعبان ۱۳۷۰ھ

مکتوب امیر جماعت بنام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی

مخدوم ومکرم۔ السلام علیکم۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

شدید انتظار کے بعد جناب کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ میں اس عنایت کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ باوجود اپنی انتہائی مصروفیتوں کے اتنا طویل گرامی نامہ تحریر فرمانے کی زحمت گوارا فرمائی۔

مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میری اس خط وکتابت کا صحیح منشا ابھی تک واضح نہیں ہو سکا ہے اور غالباً اسی لیے اس کے سلسلے میں جناب کا رویہ وہ نہیں ہے جس کی مجھے توقع ہو سکتی تھی۔ اس لیے میں سب سے پہلے اس سلسلے کی بعض غلط فہمیوں کا جن کا گرامی نامہ سے اظہار ہوتا ہے ازالہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

آپ نے تحریر فرمایا ہے:۔

"آپ اس تحریک کو عرصہ دراز سے چلا رہے ہیں۔ کئی برس ہو چکے ہیں کبھی آپ نے دیوبند تشریف ارزانی کی تکلیف گوارا نہیں فرمائی، نہ آپ نے جمعیۃ العلماء کے دفتر میں آکر اس کے کارکنوں سے تبادلۂ خیالات کر کے مسلمانوں کی بہتری کی راہ پر غور وفکر فرمایا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ آج کس وجہ سے آپ کو اس طرف توجہ ہوئی ہے۔"

یہ سوال غالباً محض اس لیے پیدا ہو رہا ہے کہ آں جناب کو بعض پچھلی باتیں شاید یاد نہیں رہی ہیں۔ یہ احقر جماعت میں تو بلاشبہ ایک طویل عرصے سے داخل ہے لیکن جہاں تک اس کے "چلانے" کی ذمہ داری کا تعلق ہے اس کا بار میرے دوشِ ناتواں پر تقسیم ہند کے بعد اپریل ۱۹۴۸ء میں ڈالا گیا ہے جس کو کل تین سال ہوتے ہیں اور اس دوران میں ایک بار نہیں، متعدد بار مختلف مواقع پر

میں نے خطوط لکھے ہیں اور اسی کے ساتھ کوشش کی کہ آں جناب سے شرف ملاقات حاصل کر سکوں لیکن افسوس یہ ہے کہ میری یہ کوشش میری کسی کوتاہی کے بغیر ناکام رہی۔

اس کی مختصر تفصیل یہ ہے:۔

سب سے پہلے ۱۴ فروری ۱۹۴۹ء کو میں نے ملیح آباد سے جہاں اس وقت مرکز تھا، آنجناب کو ایک طویل رجسٹرڈ خط لکھا تھا جس کے ابتدائی جملے یہ تھے ـــــــــ

"ایک عرصے سے میری دلی تمنا ہے کہ خدمت اقدس میں حاضر ہوکر بعض ضروری مسائل کے متعلق جناب سے تبادلۂ خیالات کروں لیکن افسوس ہے کہ اب تک اس کا موقع میسر نہیں آسکا اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کب یہ تمنا پوری ہو سکے گی۔ آپ کی مصروفیتوں کا خیال تو ہر موقع پر رہتا ہے لیکن خود میرے لیے بھی وقت نکال کر دیوبند پہنچنے میں بڑی دشواریاں پیش آرہی ہیں۔ اسی لیے میں نے محب مکرم . . . . . فاضل دیوبند کی زبانی یہ گذارش پیش خدمت کی تھی کہ اگر مستقبل قریب میں ادھر لکھنؤ وغیرہ میں تشریف آوری ہو تو مجھے پہلے سے مطلع کر دیا جائے۔ میں انشاءاللہ حاضر ہوکر اپنی خواہش پوری کر لوں گا۔ غالبًا انہوں نے تذکرہ فرمایا ہوگا۔ بہرحال یہ تو بعد کی بات ہے۔ فی الحال جب تک ملاقات کا موقع میسر نہیں آتا کچھ باتیں جو وقتی طور سے سامنے آگئی ہیں خدمت والا میں بذریعہ تحریر پیش کرنی چاہتا ہوں، امید ہے جواب سے ممنون فرمائیں گے۔"

لیکن ایک عرصہ تک اس خط کا جواب موصول نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ کافی طویل انتظار کے بعد ۳۰ مارچ کو جواب کے لیے دوبارہ یاددہانی کی گئی تو اس وقت آنجناب کا ایک نہایت مختصر جواب ۶ جمادی الثانیہ ۱۳۶۸ھ یعنی ۶ اپریل ۱۹۴۹ء کا لکھا ہوا ملیح آباد ۸ یا ۹ کو پہنچا اور تقریبًا وسط ماہ میں مجھے اس کے مطالعہ کا شرف حاصل ہو سکا کیونکہ میں اس سے پہلے ہی تقریبًا ڈیڑھ ماہ کے دورے پر جنوبی ہند کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔ اس مکتوب گرامی میں میری تمنائے ملاقات کے جواب میں اگر کوئی بات درج تھی تو صرف اتنی کہ:۔

"تحریر اور کتابت سے یہ عقدہ حل نہیں ہو سکتا"

اس کے بعد جب سفر سے واپسی ہوئی تو میں نے ۸ رشعبان ۱۳۶۸ھ یعنی ۶ رجون ۱۹۴۹ء کو پھر ایک خط مکتوب گرامی کے جواب میں لکھا جس کی آخری سطروں میں میں نے ملاقات کی خواہش کا اظہار ان لفظوں میں کیا تھا:۔

"یہ باتیں میں نے اصل مضمون خط کے سلسلے میں تحریر کی ہیں۔ رہے وہ دو سوالات جو آپ نے اپنے خط میں تحریر فرمائے ہیں تو میرا ابھی خیال یہی ہے کہ ان پر زبانی بات چیت زیادہ مناسب ہوگی۔ خدا کرے، ملاقات کا کوئی موقع جلد میسر آسکے۔ میں اس وقت ایک طویل غیر حاضری کے بعد مرکز واپس آیا ہوں۔ اس لیے سر دست میری مصروفیتیں بہت زیادہ ہیں ان سے فارغ ہو کر انشاء اللہ موقع نکالا جا سکتا ہے۔ یا اگر آپ ان کا تحریری جواب پسند فرمائیں تو میں ان کے بارے میں اپنے خیالات مختصراً لکھ کر بھیج دوں۔ جواب کا منتظر ہوں۔"

اس خط کے جواب کے لیے بھی کافی طویل انتظار کرنا پڑا۔ یعنی ۸ رشعبان کے خط کا جواب رمضان کے پہلے ہفتے میں موصول ہوا اور اس میں بھی عرض ملاقات کے سلسلے میں اگر کچھ تحریر فرمایا گیا تھا تو وہ یہ تھا:

"محترما! آپ کی تحریروں کا جواب تو اسی شخص سے ہو سکتا ہے جو کہ بالکل فارغ ہو، مجھ جیسا ناکارہ جس کو فرصت کے سکنڈ بھی حاصل کرنے دشوار ہوں کہاں اس شرف سے دو چار ہو سکتا ہے۔ اسی بناء پر لکھنؤ کے اجلاس پر محوّل کیا تھا۔ مگر آپ کی معذوریوں کی بنا پر کوئی فائدہ نہ ہو سکا۔"

اور ملاقات تو ملاقات ـــــ اس خط نے خط و کتابت کی طرف سے بھی مجھے مایوس کر دیا، کیونکہ علاوہ اوپر کے فقروں کے اس میں یہ بھی تحریر تھا:۔

"محترما! مسلمانوں کی جماعتوں اور افراد کے طویل اور تلخ تجربوں نے جن کو میں

لہ یہ بات غالباً ذہن میں رہی ہوگی ورنہ مکتوب گرامی میں تو اس کا کہیں ذکر نہیں تھا اور جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے، مکتوب الیہ اس وقت اپنے مستقر پر موجود نہ تھا۔

تقریباً چالیس برس سے زائد سے مشاہدہ کر رہا ہوں طبیعت کو بجھا دیا ہے اور میں ان کی اجتماعیات سے مایوسی کے کنارے کے قریب آ لگا ہوں۔ اس لیے آنجناب کا بھی اور میرا بھی طویل تحریریں لکھنا تضیع اوقات ہوگا۔ آپ کی سمجھ میں جو کچھ آئے عمل میں لائیے۔ اگر ہم ناکاروں نے مثل دیگر حضرات کوئی نتیجہ خیز مطابق شریعت بات دیکھی تو خود کھنچ کر چلے آئیں گے ورنہ ہماری فکر ہی نہ فرمائیں۔"

لیکن اس مایوس کن جواب کے بعد بھی طبیعت نہیں مانی اور میں نے رمضان ہی میں لکھا کہ اس وقت آپ کا قیام ٹانڈہ میں ہے جو ملیح آباد سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔ اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو وہیں آکر ملاقات کرلوں۔ لیکن اس کا جواب بھی آپ کے کسی منشی کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ ملا کہ آں جناب کو کچھ مصروفیتیں درپیش ہیں، اس لیے اس وقت ملاقات ممکن نہیں ہے لیکن اس جواب پر بھی میں خاموش ہو کر بیٹھ نہیں رہا بلکہ ایک ضرورت سے گزشتہ سال غالباً ماہ مارچ یا اپریل میں دہلی جانا ہوا تو آں جناب کے علم میں یہ بات لانا چاہتا ہوں کہ میں دفتر جمعیۃ علماء اور دفتر الجمعیۃ میں حاضر ہوا اور وہاں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب وغیرہ سے ملاقاتیں کیں اور ان کے ساتھ مسلمانوں کی بہتری کی راہ ہی پر کچھ تبادلۂ خیالات اور غور و فکر کیا۔ اس موقع پر بھی میں نے زبانی مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سے آپ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا جس کی تحریک اس سے پہلے خود انھوں نے رامپور کی ایک ملاقات کے دوران میں کی تھی۔ لیکن اس موقع پر معلوم نہیں کس سبب سے انہوں نے کم از کم اس مرحلہ پر ملاقات کو غیر ضروری سمجھا۔

اتنی سب باتوں کے بعد اب میں اس کے سوا اور کیا کرسکتا تھا کہ جہاں تک آپ سے ملنے کا تعلق ہے میں مجبوراً خاموشی اختیار کروں لیکن اس کے ساتھ دوسرے اکابر جمعیۃ العلماء سے میری ملاقات و گفتگو کا سلسلہ برابر جاری رہا اور اب بھی ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سے دہلی اور رامپور میں کئی بار ملاقاتیں ہو چکی ہیں بلکہ میری دعوت پر وہ ایک بار خاص طور سے مسلمانوں کے تعلیمی مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لیے یہاں بھی تشریف لے آئے تھے۔ جس کے بعد کچھ باتیں ہمارے مابین طے بھی ہوئی تھیں جس کا آں جناب کو علم ہونا ہی چاہیئے کیونکہ وہ باتیں باقاعدہ جمعیۃ العلماء کی مجلس عاملہ میں جو آں جناب ہی کی صدارت میں منعقد ہوا تھا پیش ہو کر رد ہوئی تھیں۔

ان کے علاوہ مولانا محمد میاں صاحب بھی میری دعوت پر ایک بار یہاں تشریف لا چکے ہیں اور ان سے بھی اسی طرح کے معاملات پر مفصل بات چیت ہو چکی ہے اور ان سے خط و کتابت اب بھی جاری ہے۔ اور ان دونوں حضرات کے سلسلے میں مجھے اس بات کے اعتراف میں کوئی تأمل نہیں ہے کہ میں نے ان کے رویے کو ویسا ہی پایا جیسا اسلام یا مسلمانوں کے خادموں کا ہونا چاہیئے۔ وہ اس بات کے منتظر نہیں رہے کہ ان معاملات پر میں ہی حاضر ہوں تو بات چیت ہو سکے بلکہ انہوں نے خود اپنا بھی فرض جانا کہ وہ اس کے لیے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ چنانچہ انہوں نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ میرے دعوت نامہ کو قبول فرمایا جس کا واقعی میرے دل پر بہت گہرا اثر ہے۔

یہ بات میں نے اظہار واقعہ کے طور پر لکھی ہے، اس سے کچھ جناب کی شکایت مقصود نہیں ہے۔ آپ میرے بارے میں کچھ ہی تصور فرمائیں، میں خود اپنی نگاہ میں اتنا حقیر ہوں اور اس کے ساتھ ہی آپ کا مرتبہ میری نگاہ میں اتنا اونچا ہے جو اور کسی بات کا نہیں، بلکہ آپ کے ذاتی کمالات و خصوصیات علم و تقوے کے احساس کا نتیجہ ہے کہ میں اس خواہش کو آپ کی شان میں گستاخی سمجھتا ہوں کہ آپ کبھی ہم ہیچ میرزوں کے یہاں قدم رنجہ فرمائیں۔ آپ کے سلسلے میں تو میں اپنے شرف و عزت کے لیے اتنی ہی بات کافی سمجھتا ہوں کہ آپ اپنی خدمت میں حاضری کا موقع عنایت فرمائیں جس کی بار بار درخواست بھی اب تک شرف پذیرائی حاصل نہیں کر سکی ہے۔ اسی بنا پر ابھی پچھلے دنوں آپ رامپور تشریف لے آئے تو مجھے اس کی مطلق شکایت نہیں ہوئی کہ آپ نے یہاں قدم رنجہ نہیں فرمایا البتہ اس کا افسوس ضرور ہوا کہ وقت پر اطلاع نہ ملنے کی وجہ سے میں خود حاضرِ خدمت نہیں ہو سکا۔ چنانچہ جوں ہی مجھے تشریف آوری کی اطلاع ملی میں نے تحقیق کے لیے ادھر ادھر آدمی بھیجے لیکن معلوم ہوا کہ آپ اس سے پہلے ہی واپس ہو چکے ہیں۔

بہر حال، میں حتی الوسع اکابر جمعیۃ العلماء سے پہلے ہی سے ملتا جلتا رہا ہوں اور اُن سے میری خط و کتابت ہے۔ ان کے علاوہ مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ سے بھی ایک عرصہ سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہے۔ گو وہ زیادہ تر یک طرفہ ہے کیونکہ مولانا کو عدیم الفرصتی کی وجہ سے جواب لکھنے کی فرصت بہت کم ملتی ہے اور خود آں جناب کے بارے میں میں نے جو خاموشی اختیار کی تو اس کے معنیٰ یہ نہیں تھے کہ میں اب مزید کوشش ترک کر دوں۔ چنانچہ جماعت کے سالانہ اجتماع کی تاریخیں جب

قریب آئیں تو میں نے پھر آگے بڑھ کر آں جناب کو شرکت کی دعوت دی اور اس کے بعد جونہی مجھے معلوم ہوا کہ دارالعلوم دیوبند اور خود آں جناب کی طرف سے جماعت کی غلط طور سے مخالفت ہو رہی ہے تو میں نے آپ کے جواب کا انتظار کیے بغیر متعدد خطوط لکھے اور اس موقع پر پھر حاضری کی درخواست پیش کی، لیکن مجھے افسوس ہے کہ اس مرتبہ بھی اس کے جواب میں آپ کی طرف سے پہلے خاموشی اختیار کی گئی اور اب طویل انتظار کے بعد جواب آیا بھی ہے تو یہ کہ پچھلی تمام باتوں سے قطع نظر کر کے آں جناب ازراہِ تعجب پوچھتے ہیں ـــــ اور ممکن ہے اگر یہ بدگمانی ہو تو اللہ معاف کرے کہ اس دریافت میں کچھ عنصر طنز کا بھی شامل ہو کہ :-

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آج کس وجہ سے آپ کو اس طرف توجہ ہوئی ہے:"

اور ملاقات کی درخواست کے جواب میں آپ تحریر فرماتے ہیں :-

"اس بون بعید کے ہوتے ہوئے مجھ کو کوئی امید فائدہ مند نہیں معلوم ہوتی"

اور اس پر بھی اکتفا نہیں فرماتے ہیں بلکہ اس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ میں نے ہمیشہ آپ کی بزرگی کا احترام کیا ہے، یہ طنز بھی فرماتے ہیں:

"خصوصاً جبکہ آپ کا رامپور کا جلسۂ عام بڑے درجے پر آپ کو پہنچا چکا ہے تو بجز اس کے کہ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝ کہہ کر آپ تکلیف فرمانے کی زحمت سے سبکدوش کر دوں اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا"

مجھے امید ہے یہ تفصیلات پڑھ لینے کے بعد میری خط و کتابت کے بارے میں جناب کی حیرت و استعجاب کا ازالہ ہو جائے گا۔ یہ واقعہ ہے کہ ہم نے ہمیشہ ضرورت محسوس کی کہ آپ حضرات سے بذریعہ خط و کتابت یا مل کر تبادلۂ خیالات کریں تاکہ باہمی غلط فہمیاں رفع ہوں اور اگر ممکن ہو تو باہمی اشتراک و تعاون کی راہیں کھلیں۔ لیکن اس بارے میں مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کم از کم آں جناب کا رویّہ میری توقع کے یکسر خلاف ثابت ہوا ہے۔ بہرحال ایک وجہ میری پچھلی خط و کتابت کی یہی رہی ہے اور اگر آپ مجھے معاف فرمائیں تو میں اس تازہ خط و کتابت کی وہ وجہ بھی لکھ دوں جو خصوصیت کے ساتھ اس وقت محرک ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ میں ایمانداری کے ساتھ محسوس کر رہا ہوں کہ جماعت اسلامی کے سلسلے میں آں جناب نے مخالفت کا جو رویہ اختیار کیا ہے وہ آپ کی

شان اور آپ کی ذمہ داریوں دونوں کے منافی ہے۔ اس لیے جیسا کہ میں اس سے پہلے بھی لکھ چکا ہوں، میں صرف جماعت اسلامی کی خیر خواہی کے لیے نہیں، بلکہ گستاخی معاف ہو تو خود آں جناب کی خیر خواہی کے جذبے کے تحت یہ چاہتا ہوں کہ جس حد تک ممکن ہو سکے میں آپ کو اس طرح کی مخالفت سے باز رکھنے کی کوشش کروں۔ اور میں یہاں پر یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ میرے بعض محبین جو ہم سے کہیں زیادہ آپ سے خلوص رکھتے ہیں، ان کی خواہش ہی نہیں بلکہ اصرار تھا کہ میں اس بارے میں آپ سے ضرور خط و کتابت کروں اور آپ موقع دیں تو آپ کی خدمت میں بھی حاضر ہوں اور اس سے ان کا مقصد بھی جہاں تک میں نے سمجھا ہے اسی طرح کی خیر خواہی تھی۔ بہر حال یہ خط و کتابت اور خاص طور سے حالیہ خط و کتابت میں نے انہی گوناگوں ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے شروع کی تھی اور اب میں اپنی جگہ یہ اطمینان محسوس کر رہا ہوں کہ چاہے اس کا کوئی نتیجہ برآمد ہوا یا نہیں ہوا کم از کم اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گیا۔

اب اس کے بعد اس سلسلے میں آپ کو کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتا ـــــ اب میں کچھ باتیں گرامی نامہ کے اصل مفہوم کے سلسلے میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلے مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ فی نفسہٖ جماعت کی مخالفت کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے مجھے کسی سے شکایت ہو۔ جن لوگوں کو نیک نیتی سے اس سے اختلافات ہیں، میں ان کا یہ حق سمجھتا ہوں کہ وہ اس کی مخالفت کریں۔ غالباً آپ کو یاد نہیں ہوگا، میں نے خود آں جناب کو اپنے ۱۹۴۹ء کے ایک خط میں آنجناب کے اس ارشاد پر کہ آپ نے پریس میں جماعت اسلامی کی مخالفت نہیں کی ہے، تحریر کیا تھا جو ممکن ہے آں جناب کو گراں بھی گزرا ہوگا۔ لیکن اس کا لکھنا میں اپنا فرض سمجھتا تھا:

> "اپنی پہلی درخواست دوبارہ آپ کی خدمت میں پیش کرنی چاہتا ہوں کہ اگر آپ نے جماعت اسلامی کی مخالفت فرمائی ہے یا اس میں کوئی مخالفت کا پہلو نظر آرہا ہے تو براہ عنایت تھوڑا سا وقت نکال کر ہمیں وضاحت کے ساتھ اپنے وجوہِ اختلاف سے مطلع فرمائیں۔ ہم ان پر غور کرنے کے لیے ہر وقت آمادہ ہیں اور ہم خود آپ کے

ذمہ دار عالم دین کی ہے اور تحریک اب ملک میں کافی پھیل چکی ہے اور عوام سے زیادہ علماء اور تعلیم یافتہ حضرات اس کی طرف متوجہ ہوتے جارہے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر آپ کی تحقیق یہی ہے کہ یہ تحریک خدا نخواستہ غلط ہے تو آپ کے لیے خاموشی کسی طرح جائز نہیں ہوسکتی۔ اور سب سے پہلے اپنے وجوہ اختلاف سے ہمیں مطلع کرنا ضروری ہے اور ایسی حالت میں آپ کے لیے یہ بات بھی صحیح نہیں ہوسکتی کہ آپ نجی صحبتوں یا مخصوص اجتماعات میں تو جماعت کی مخالفت فرمائیں لیکن پریس میں مخالفت کرنے سے گریز کریں۔ پھر تو کھل کر ہر جگہ آپ کو اس کی مخالفت کرنی چاہیے لیکن اگر یہ بات نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ میری اب تک کی اطلاعات ہیں کہ آپ کو ابھی تک جماعت سے واقفیت کا موقع ہی نہیں ملا ہے جس پر کہ موافقت یا مخالفت کا دارو مدار ہے تو پھر معاف فرمائیے میں اسے بھی آپ کے شایانِ شان نہیں سمجھتا کہ آپ پبلک یا پریس کی مخالفت سے تو احتیاط برتیں لیکن نجی طور سے یا اپنے مخصوص اجتماعات اور صحبتوں میں مخالفت کا رویہ اختیار فرمائیں۔ پہلی بات اگر آپ کی عالمانہ ذمہ داری کے منافی ہے تو یہ دوسری بات بھی آپ کے مرتبہ فضل و تقویٰ سے بہت گری ہوئی ہے یا اگر اس بارے میں مَیں غلطی پر ہوں تو میری اصلاح فرمائی جائے۔"

لیکن جہاں ہم ہر شخص کے لیے نیک نیتی کے ساتھ جماعت کی مخالفت کرنے کا حق سمجھتے ہیں وہیں ہم یہ بھی چاہتے ہیں اور خاص طور سے آپ جیسے ذمہ دار علماء کے لیے اسے بہت ضروری سمجھتے ہیں کہ ہماری جو مخالفت کی جائے وہ پوری تحقیق کے بعد کی جائے چنانچہ میں نے اپنے پہلے ہی خط میں، جو میں نے ۱۹۴۹ء میں آنجناب کو تحریر کیا تھا اس کی ضرورت کی طرف خاص طور سے توجہ کرنے کی التجا کی تھی لیکن مجھے یہ دیکھ کر تعجب بھی ہو رہا ہے اور افسوس بھی کہ آج تین برس کے بعد بھی مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میری وہ التجا اب تک شرمندۂ تکمیل نہیں ہوسکی ہے۔ بلکہ اس وقت میں نے اپنے خط میں آں جناب کے جس رویہ کو غنیمت قرار دیا تھا یعنی یہ کہ دوسرے غیر ذمہ دار لوگوں کے برخلاف آپ تحقیق نہ ہونے کی صورت میں جماعت کے بارے میں موافق یا مخالف کوئی رائے ظاہر کرنے سے احتراز فرما رہے ہیں، آج آپ کا وہ رویہ بھی برقرار نہیں رہ سکا

ہے۔ آپ نے میری منشار کے بالکل مطابق باوجود اپنی عدیم الفرصتی کے دس صفحہ کا خط تحریر فرمایا ہے اور اس میں پوری تفصیل کے ساتھ اپنے تمام وجوہِ اختلاف تحریر فرما دیئے ہیں۔ لیکن آپ کے مکتوب گرامی کے مضمون کی ایک ایک سطر خود پکار پکار کر کہہ رہی ہے اور خود آپ کا یہ اعتراف کہ اقتباسات کے ڈھیر پر آپ نے اپنے اعتراضات کی عمارت کھڑی کی ہے، اس پر گواہ ہے کہ ہماری بدقسمتی سے ابھی تک خود جماعت کو سمجھنے اور اس کے لٹریچر سے براہ راست واقفیت بہم پہنچنے کا موقع آں جناب کو نہیں ملا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسی حالت میں آپ کی مخالفت کی کیا توجیہ کروں۔ آپ کا یہ رویہ میرے لیے خاص طور سے اس لیے اور زیادہ تعجب انگیز ہے کہ میں نے ۱۳۶ء کے فتنۂ تکفیر میں جملہ علمار دیوبند میں سہارنپور میں صرف آپ کو محتاط پایا تھا۔ ان علمار کا حال تو یہ تھا کہ یہ تحقیق کیے بغیر کہ مولانا شبلی مرحوم اور مولانا حمیدالدین فراہی مرحوم کی طرف جو باتیں منسوب کی گئی ہیں وہ کہاں تک صحیح ہیں۔ محض اقتباسات کو دیکھ کر بغیر کسی پس وپیش کے ان پر کفر کا فتویٰ دے دیا۔ جس پر بعد کو ان کو افسوس بھی کرنا پڑا۔ چنانچہ تقریبًا سب نے ہی اپنے فتووں سے رجوع کیا لیکن اس موقع پر صرف آپ تھے کہ آپ نے میری معلومات کے مطابق محض تحقیق کے لیے اعظم گڑھ کا سفر اختیار کیا اور جب آپ پر یہ ظاہر ہو گیا کہ ان مرحومین اور ان کے متوسلین کی تکفیر کے لیے کوئی جائز وجہ نہیں ہے تو آپ نے جملہ اکابر کے فتووں کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنی رائے جرأت کے ساتھ ان کے خلاف ظاہر فرمائی۔ معلوم نہیں اس احتیاط کو اس زمانے میں جبکہ احتیاط کے دینی اور دنیاوی دونوں طرح کے تقاضے نسبتًا زیادہ شدید ہیں کیوں آپ نے نظرانداز فرما دیا۔ آپ سے زیادہ کون اس حقیقت سے آگاہ ہوگا کہ ہر سنی سنائی بات اس قابل نہیں ہوتی ہے کہ آدمی اسے بیان کرنا شروع کر دے یا اس کی بنیاد پر کسی جماعت کے بارے میں کوئی رائے قائم کر لے۔ اس لیے میرے نزدیک کم ازکم آپ جیسے ذمہ دار حضرات کے لیے تو یہ بہت ضروری بات تھی کہ جماعت کے بارے میں کسی طرح کی رائے ظاہر کرنے سے پہلے آپ خود تحقیق فرماتے اور محض اقتباسات کو اس لیے کافی نہ سمجھتے۔ اور اگر آپ کے نزدیک یہ اقتباسات ہی صحیح رائے قائم کرنے کے لیے کافی تھے تو میرے نزدیک اس میں تو کوئی حرج کی بات ہی نہیں تھی کہ آپ لوگوں کو اس فتنہ کے خلاف "پوری جدوجہد کو کام میں لے آنے کا" مشورہ دینے سے پہلے ہماری خواہش کے مطابق ہمیں بھی موقع دیتے کہ

ہم اپنی صفائی پیش کر سکیں۔ ظاہر ہے یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں تھی کہ ہم آپ کے خیالات کو آپ کی خواہش کے خلاف بدل دیتے یا گفتگو کے بعد آپ کے لیے مخالفت کا دروازہ بند ہو جاتا۔ لیکن مجھے حیرت بھی ہے اور افسوس بھی کہ معلوم نہیں کہ وہ کیا اسباب تھے کہ جن کی بنا پر آپ نے اس میں عجلت ضروری سمجھی۔ حتیٰ کہ خود اپنی مقرر کردہ کمیٹی کے نتائج تحقیقات کا انتظار کرنا بھی مناسب خیال نہیں فرمایا، اور نہ اس بارے میں ہم سے بات چیت کرنا گوارا فرمایا۔ بہرحال آپ نے اقتباسات کی بنیاد پر اب ایک رائے قائم ہی کر لی ہے اور اس کا شدومد کے ساتھ اظہار و اعلان بھی شروع کر دیا ہے، اس لیے بظاہر اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اب اس سلسلے میں آپ کا وقت ضائع کیا جائے لیکن محض معذرۃً الیٰ ربّی میں اس کے سلسلے میں چند باتیں اختصار کے ساتھ لکھنی چاہتا ہوں۔

پہلی بات تو مجھے یہی عرض کرنی ہے کہ کسی فرد یا جماعت کے بارے میں کوئی رائے قائم فرمانے کے لیے محض اقتباسات پر اعتماد کر لینا بہت ہی غیر مناسب طریقہ ہے۔ اس کے لیے اس سے پوری واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے جو اس کے بغیر ممکن نہیں کہ اس کی پوری باتیں پڑھی اور سنی جائیں۔

میرے سامنے بھی اقتباسات کا ایک بہت بڑا ڈھیر لگا ہوا ہے جو شاید آپ کے سامنے کے ڈھیر سے کچھ کم نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہمارے پاس موافق و مخالف دونوں طرح کے لوگ از خود اس قسم کی چیزیں بھیجتے رہتے ہیں اور جب وہ آجاتی ہیں تو پڑھے بغیر بھی رہا نہیں جاتا۔ لیکن ان سب کے دیکھنے کے بعد سوا اس کے کہ افسوس کیا جائے اور کچھ نہیں کیا جا سکتا۔

میں کسی کی نیت پر حملہ کرنا نہیں چاہتا لیکن اس کو آپ کیا کہیں گے کہ پاکستان میں جہاں کے برآورد کیے ہوئے اقتباسات کا حوالہ آں جناب نے دیا ہے، فتنوں اور اقتباسات کا یہ طوفان اس وقت شروع کیا گیا ہے جب وہاں کی جماعت نے الیکشن میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ حالانکہ جماعت آج نئی نئی وجود میں نہیں آئی ہے، بلکہ اس کو قائم ہوئے تقریباً دس سال کا عرصہ ہو گیا ہے۔ الیکشن کے زمانے میں جو کچھ ہوتا ہے اس سے آپ مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ اس لیے اس زمانے کی پیداوار کے سلسلے میں اتنی احتیاط بہرحال ضروری ہے کہ اس کو اصل سے مطابق کر کے دیکھ لیا جائے اور اگر آپ ایسا کر لیں گے تو مجھے یقین ہے کہ اس پر سے آپ کا اعتماد بہت کچھ متزلزل ہو جائے گا۔ کتاب "تجدید و احیائے دین" کوئی نئی کتاب نہیں ہے۔ دس سال پہلے وہ

'الفرقان' میں بطور ایک مضمون کے شائع ہوئی تھی اور اس کے بعد وہ کتاب کی شکل میں شائع کی گئی اور اس وقت تک معلوم نہیں کتنی بار شائع ہوچکی ہے۔ خود مکتبہ الفرقان بھی اس وقت سے برابر شائع کر رہا ہے لیکن اب جاکر پنجاب کے الیکشن کے زمانہ میں اس کی تحلیل کیمیائی کی ضرورت محسوس کی گئی اور ایک خاص طرح کا صغریٰ وکبریٰ بناکر اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ مولانا مودودی صاحب اپنے آپ کو مجدد یا مہدی موعود سمجھتے ہیں' یا اس کا آیندہ دعویٰ کرنے والے ہیں۔ حالانکہ علاوہ اور باتوں کے خود اسی کتاب میں یہ لکھا ہوا ہے کہ :-

"اس قسم کے دعوے جو لوگ کرتے ہیں اور جو لوگ ان پر ایمان لاتے ہیں میرے نزدیک دونوں اپنے علم کی کمی اور اپنے ذہن کی پستی کا ثبوت دیتے ہیں۔"

(تجدید واحیائے دین ص۲۷)

کتاب "خطرہ کی گھنٹی" یعنی مکالمہ مودودی وکاظمی غالبًا آپ کے پاس بھی ضرور پہنچی ہوگی کیونکہ یہ ہندوستان میں بھی بڑے اہتمام کے ساتھ نشر ہورہی ہے اور نشر کرنے والوں میں وہی لوگ نہیں ہیں جو مصنف کے ہم مشرب ہوں بلکہ اس میں حلقہ دیوبند سے تعلق رکھنے والے بہت سے لوگ بھی شریک ہیں جن کا ذکر خود اس کتاب میں کچھ اچھے انداز میں نہیں آیا ہے اور نہ غالبًا ان کو ہی اس کتاب اور اس کے مصنف سے اس کے علاوہ اور کسی وجہ سے دلچسپی ہوسکتی ہے کہ وہ جماعت اسلامی کے خلاف ہیں۔ اس کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ جماعت اسلامی سے واقفیت رکھنے والے کسی شخص کے لیے مہملات سے زیادہ کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ لیکن اس کے سلسلے میں ایک مزید قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس مکالمہ کے ایک فریق کو اس کے مستند ہونے سے ہی انکار ہے۔ مولانا مودودی صاحب نے ترجمان القرآن عدد ۳ و ۴ جلد ۳۵ میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے :-

"مولانا صاحب موصوف اور ان کے ساتھیوں نے یہاں آکر مجھ سے جو باتیں کیں اور پھر واپس جاکر جو باتیں شائع کیں ان دونوں کے فرق پر جب غور کرتا ہوں تو مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے دل خوفِ خدا اور آخرت کی جواب دہی کے احساس سے بالکل خالی ہوچکے ہیں اور انھوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جو کچھ بھی ہے بس یہی دنیا ہے، آگے کوئی نہیں جہاں اپنے اقوال واعمال کا انہیں حساب دینا ہوگا۔"

مجھے نہیں معلوم کہ مولانا مودودی باعتبار روایت آپ کے نزدیک کوئی درجہ استناد کا رکھتے ہیں یا نہیں لیکن ان کے اس اعلان کو کم ازکم احتیاط کے پیش نظر اتنی وقعت ضرور دینی چاہیے کہ لوگ اس گھنٹی پر یکدم سر دُھننا نہ شروع کر دیں بلکہ کچھ مزید تحقیق کریں کہ جو شخص اسے بجا رہا ہے وہ کون ہے اور خود اس کی ثقاہت کا کیا پایہ ہے؟

خود ہندوستان میں بھی جو لوگ ہر طرف خطرہ کی گھنٹی بجاتے پھر رہے ہیں ان میں ہمارے علم کے مطابق بہت سے ایسے لوگ بھی شریک ہیں جن کی نیتوں کے بارے میں ہم یقیناً کوئی اچھی رائے قائم نہیں کر سکتے۔ اس کا کچھ اندازہ آپ اس بات سے کر سکتے ہیں کہ جو لوگ آپ حضرات کو کافر یا گمراہ کہتے اور سمجھتے ہیں آج وہی بڑھ بڑھ کر آپ لوگوں سے ہدایت و ضلالت کے لیے فیصلہ کن فتوے حاصل کر رہے ہیں اور پھر نہایت ذوق و شوق کے ساتھ ان کو مشتہر اور تقسیم کرتے پھر رہے ہیں اور میرا خیال یہ ہے کہ آں جناب نے اپنے مکتوب کے اعتراض ۱۹ع میں جو بات تحریر فرمائی ہے وہ کچھ اسی طرح کے بدنیت لوگوں کی فراہم کردہ اطلاعات پر مبنی ہوگی ورنہ اتنی بے بنیاد بات آپ کے قلم سے نہیں نکل سکتی تھی۔

محترم! ہمارے دفتر پر عام طور پر کوئی سائن بورڈ لگایا ہی نہیں جاتا اور اگر لگایا جاتا ہے تو میرے اس وقت تک کے علم کے مطابق زیادہ سے زیادہ "دفتر جماعت اسلامی" کا بورڈ لگایا جاتا ہے؛ جو غالباً کوئی جُرم نہیں ہوگا کیونکہ اس طرح کے نام کے بورڈ ہم نے جمیعۃ العلماء کے دفتر پر بھی دیکھے ہیں۔ ہمارے مرکزی دفتر کے بورڈ پر بھی سوا "مرکز جماعت اسلامی ہند" کے اور کچھ لکھا ہوا نہیں ہے جس کی تصدیق آپ اپنے ان رفقاء سے کر سکتے ہیں جنہوں نے بچشم خود اسے دیکھا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص جماعت اسلامی کے لفظ سے ہی چڑتا ہو اور وہ اس کا مفہوم اپنے نزدیک یہ سمجھتا ہو کہ جو لوگ جماعت اسلامی میں داخل نہیں ہیں ان کو ہم خارج از بحث سمجھتے ہیں تو بہر حال یہ اس کا اپنا خود ساختہ مفہوم ہے، ہم ایسا نہیں سمجھتے اور نہ حقیقتاً اس لفظ سے یہ مفہوم نکالا جاسکتا ہے، ورنہ پھر تو مثلاً جمعیۃ العلماء کے نام کا بھی یہ مطلب لینا ہوگا کہ جو اس جمعیت میں داخل نہیں ہے اسے آپ عالم ہی نہیں سمجھتے خواہ وہ اپنی جگہ کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو ــ بہر حال یہ ہمارے اوپر اتہام ہے کہ ہم اپنے دفاتر پر "جماعتِ موحدینِ حقیقی" "حقیقی توحید کا دفتر" یا "کاملینِ اسلام" وغیرہ جیسا کوئی سائن بورڈ

لگاتے ہیں۔ اگر اس الزام میں کوئی حقیقت ہو سکتی ہے تو صرف اتنی کہ یہیں کے ایک صاحب جو جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنے طور سے ہندی اور اردو کے رسالے نکالتے ہیں انھوں نے اپنے دفتر پر ایک بورڈ لگایا ہے جس پر ان رسالوں کے نام لکھے ہوئے ہیں اور ان کے نیچے ان رسالوں کے تعارف کے طور پر یہ عبارت درج ہے:۔

"خالص خدا پرستی اور فلاح انسانیت کے داعی"[1]

لیکن اس ضمن میں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اوّل تو یہ ان کا ذاتی فعل ہے اس سے جماعت کا کوئی تعلق نہیں ہے اور دوسرے میں ابھی تک یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس میں قباحت کا کیا پہلو ہے اگر واقعی اس میں کوئی بات قباحت یا اعتراض کی ہو تو مطلع فرمائیے۔ غالباً ان صاحب کو اس کو بدل دینے میں کوئی تأمل نہیں ہوگا۔ لیکن آپ اس کو کیا کہیں گے کہ کچھ لوگ اس عبارت کو یہ معنے پہنا رہے ہیں کہ ہم لوگ صرف توحید کے ماننے والے ہیں، رسالت سے ہمیں سروکار نہیں ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں غالباً ان ہی حضرات نے آپ کو بھی اس کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا کیا ہے۔

---

(۲) اور بدنیتی کے سوال کو بھی چھوڑیئے، ہمارا علم ناقص ہے اس کا بہتر فیصلہ صرف علّام الغیوب ہی کر سکتا ہے، ہم تو اس بات کو دیکھتے ہیں کہ ان فتویٰ نویسوں یا اقتباسات فراہم کرنے والوں کی نیتیں خواہ اچھی ہوں یا بری لیکن وہ ہمارے بارے میں نہایت ہی بے انصافی سے کام لے رہے ہیں، وہ نہایت بے بنیاد باتیں جن سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے، ہماری طرف منسوب کرتے ہیں اس کو آخر کیا کہا جائے۔

---

[1] ان صاحب کا بیان ہے کہ چونکہ ان رسالوں کے مخاطب صرف مسلمان نہیں ہیں بلکہ غیر مسلم بھی ہیں اور خاص طور سے ہندی رسالہ "اجالا" تو غیر مسلموں ہی کے لیے نکالا گیا تھا، اس لیے انھوں نے یہ الفاظ اپنے سائن بورڈ کے لیے منتخب کیے جو دونوں قوموں کو بیک وقت مخاطب کرنے کے لحاظ سے موزوں تر ہیں لیکن مستفتیوں کا کمال دیانت ملاحظہ ہو کہ انھوں نے ایک طرف تو لفظ "مرکز" کا اضافہ اپنے طور سے کر دیا تاکہ جماعت پر اعتراض کی گنجائش نکل آئے اور دوسری طرف انہوں نے اصل عبارت میں سے آخری ٹکڑا "فلاح انسانیت کے داعی" کا حذف کر دیا تاکہ اس طرف کسی کا ذہن منتقل ہی نہ ہو سکے کہ اس کے مخاطب بیک وقت مسلم اور غیر مسلم دونوں ہیں۔ (۲۱ د ۱ د ۸)

فتاویٰ کے نام پر اس وقت تک نادر معلومات کا جو ذخیرہ فراہم کیا جا چکا ہے، مجھے فرصت نہیں ہے کہ ان سب کو سامنے رکھ کر میں آپ کو بتاؤں کہ ہمارے مفتیوں نے ہمیں بدنام کرنے کے لیے دانستہ یا نادانستہ طور پر کس کس قسم کی تحریفات سے کام لیا ہے اور نہ حقیقتہً ہمیں اس کام سے دلچسپی ہے۔ البتہ چند مثالیں، میں محض اس غرض کے لیے پیش کرنی چاہتا ہوں کہ انہیں دیکھ کر آپ یہ اندازہ کر سکیں کہ ان کے اعتماد پر جو رائے قائم کی جائے گی وہ کہاں تک صحیح ہوگی۔ اور یہ واضح رہے کہ یہ مثالیں میں ان مفتیوں کے فتاویٰ سے نہیں پیش کر رہا ہوں جو پہلے آپ حضرات کو کافر و گمراہ قرار دے چکے ہیں، اور اب وہ ہماری طرف متوجہ ہیں، ظاہر ہے ایسے لوگوں کے فتاویٰ آپ کے لیے بھی قابل اعتنا نہیں ہو سکتے ہیں، بلکہ میں ان دارالافتاؤں کے فتووں سے یہ مثالیں پیش کر رہا ہوں جو غالباً آپ کے نزدیک مستند ترین دارالافتار ہوں گے، یعنی خانقاہ اشرفیہ اور مظاہر العلوم کے دارالافتار ـــــ اس ضمن میں مَیں دارالافتار دیوبند کے فتووں کا نام اس لیے نہیں لینا چاہتا کہ وہاں سے جو فتوے شائع ہوئے ہیں ان میں صرف حکم یا بزرگانہ نصیحت کی شان پائی جاتی ہے اور اس حکم کے لیے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ہے۔ اس لیے اس کے ثبوت میں کوئی عبارت وغیرہ بھی پیش نہیں کی گئی ہے۔

مظاہر العلوم کے دارالافتار سے جو فتویٰ "کشف حقیقت" کے نام سے شائع ہوا ہے اس کا تذکرہ آں جناب کے مکتوب میں موجود ہے اس لیے غالباً آپ نے اسے ضرور ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ اس لیے سب سے پہلے میں اسی سے کچھ مثالیں پیش کر رہا ہوں:

مصنف رسالہ نے اس تمہید کے ساتھ کہ مذہب، قرآن، حدیث اور فقہ کے بارے میں مولانا مودودی صاحب کے خیالات کیسے پاکیزہ ہیں، ان کی کتاب "تنقیحات" سے ایک عبارت نقل کی ہے جو حسب ذیل ہے:۔

> علوم اسلامیہ کو بھی ان کی قدیم کتابوں سے جوں کا توں نہ لیجیے، بلکہ ان میں سے متأخرین کی آمیزشوں کو الگ کر کے اسلام کے دائمی اصول اور حقیقی اعتقادات اور غیر متبدل قوانین لیجیے ..... قرآن اور سنت کی تعلیم سب پر مقدم ہے مگر تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیرہ سے نہیں۔"

اور اس سے یہ دلچسپ نکتہ بھی پیدا کیا ہے کہ مولانا مودودی صاحب چاہتے یہ ہیں کہ قرآن و

وحدیث کی تعلیم پرانے ذخیروں کے بجائے ان کی کتابوں سے حاصل کی جائے۔

میرے خیال میں سب سے پہلے دیانت کا تقاضہ یہ تھا کہ اگر ان کو مودودی صاحب کی کوئی عبارت پیش ہی کرنی تھی تو پورا سیاق وسباق بھی واضح کر دیتے کہ یہ عبارت کس موقع کی ہے اور جس مضمون سے یہ عبارت ماخوذ ہے وہ کس مسئلہ سے متعلق ہے اور اس کے مخاطب کون لوگ ہیں کیونکہ بغیر ان باتوں کے جانے ہوئے عبارت کا صحیح منشا نہیں سمجھا جا سکتا۔ اگر ان باتوں کا اظہار ان کے مقصود کے منافی تھا تو انہیں کم از کم اتنی دیانت تو ضرور ملحوظ رکھنی چاہیے تھی کہ وہ جو عبارت نقل کر رہے ہیں اس میں وہ اپنی طرف سے کتر بیونت نہ کرتے۔ پوری عبارت یوں ہے:۔

"اس کے ساتھ علوم اسلامیہ کو بھی ان کی قدیم کتابوں سے جوں کا توں نہ لیجیے بلکہ ان میں سے متاخرین کی آمیزشوں کو الگ کر کے اسلام کے دائمی اصول اور حقیقی اعتقادات اور غیر متبدل قوانین لیجیے ان کی اصلی اسپرٹ دلوں میں اتاریے اور ان کا صحیح تدبر دماغوں میں پیدا کیجیے۔ اس غرض کے لیے آپ کو بنا بنایا نصاب کہیں نہ ملے گا ہر چیز از سر نو بنانی ہوگی قرآن اور سنت کی تعلیم سب پر مقدم ہے مگر تفسیر وحدیث کے پرانے ذخیروں سے نہیں۔ ان کے پڑھانے والے ایسے ہونے چاہئیں جو قرآن وسنت کے مغز کو پا چکے ہیں۔ اسلامی قانون کی تعلیم بھی ضروری ہے۔ مگر یہاں بھی پرانی کتابیں کام نہ دیں گی۔ آپ کو معاشیات کی تعلیم میں اسلامی نظم معیشت کے اصول، قانون کی تعلیم میں اسلامی قانون ــــ مبادی فلسفہ کی تعلیم میں حکمت اسلامیہ کے نظریات، تاریخ کی تعلیم میں اسلامی فلسفہ تاریخ کے حقائق اور اسی طرح ہر علم وفن کی تعلیم میں اسلامی عنصر کو ایک غالب اور حکمراں عنصر کی حیثیت سے داخل کرنا ہوگا۔"

خط کشیدہ فقرے جن سے مفتی صاحب کا منشار پورا نہیں ہو رہا تھا حذف کر دیے گئے ہیں اور ان فقروں میں شروع کا لفظ "اس کے ساتھ" بھی موجود ہے جو اس بات کو ظاہر کر رہا تھا کہ یہ عبارت ماقبل سے مربوط ہے لیکن ہمارے مفتی صاحب غالباً اس کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ پڑھنے والا ان کی پیش کردہ عبارت کو کسی حیثیت سے غیر مکمل سمجھے کیونکہ اس کے بعد ان کا پورا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا اس لیے انہوں نے بڑی بے تکلفی کے ساتھ اس فقرے کو حذف کر دیا

اور خاص اس جملہ میں اس فقہی راہِ فرار کی بھی گنجائش نہیں رکھی کہ یہاں حذف کی علامت کے طور پر کچھ نقطے بھی لگا دیتے جیسا کہ ازراہِ احتیاط" انھوں نے درمیان میں کیا ہے۔ بہر حال یہ عبارت جس عبارت سے مربوط ہے اگر اس کو اس کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو ایک طرف محض اس آخری ٹکڑے کے پڑھنے سے مصنف کے خیالات کے بارے میں جو خفارہ جاتا ہے وہ دور ہو جاتا ہے اور دوسری طرف اس سے اس خیال کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو جناب مفتی صاحب نے اپنی تمہید میں مولانا مودودی صاحب کے بارے میں قائم کرانا چاہا ہے یعنی "آزاد خیالی کی روح پھونک کر لامذہبیت پیدا کرنا۔" اس لیے خیال یہ ہوتا ہے اللہ بدگمانی سے معاف کرے کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ وہ پہلی عبارت نقل نہیں کی بلکہ بالقصد نقل کردہ عبارت کے اس جز کو بھی حذف کر دیا گیا جس سے کسی صاحب کا ذہن اس عبارت کی طرف متوجہ ہو سکتا تھا۔ بہر حال وہ عبارت درج ذیل ہے:۔

"اگر فی الواقع علی گڑھ یونیورسٹی کو مسلم یونیورسٹی بنانا ہے تو سب سے پہلے مغربی علوم و فنون کی تعلیم پر نظر ثانی کیجیے۔ ان علوم کا جوں کا توں لینا درست نہیں ہے۔ طالب علموں کی لوحِ سادہ پر ان کا نقش اس طرح مرتسم ہوتا ہے کہ وہ ہر مغربی چیز پر ایمان لاتے چلے جاتے ہیں۔ تنقید کی صلاحیت ان میں پیدا ہی نہیں ہوتی۔ اور اگر پیدا ہوتی بھی ہے تو فی ہزار ایک طالب علم میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد سالہا سال کے گہرے مطالعہ سے جبکہ وہ زندگی کے آخری مرحلوں میں پہنچ جاتا ہے اور کسی علمی کام کے قابل نہیں رہتا۔ ایسے طرزِ تعلیم کو بدلنا چاہیئے۔ ... مغربی علوم کو طلبہ کے سامنے تنقید کے ساتھ پیش کیجیے۔ اور یہ تنقید خالص اسلامی نقطۂ نظر سے ہو تاکہ وہ ہر قدم پر ان کے ناقص اجزاء کو چھوڑتے جائیں اور صرف کارآمد حصوں کو لیتے جائیں۔"

اور اسی طرح اس عبارت کے بعد کی عبارت بھی حذف کر دی گئی ہے تاکہ اقتباس پڑھنے والا یہ سمجھ ہی نہ سکے کہ یہ باتیں کس ضمن میں اور کس مقصد کے لیے کہی گئی ہیں۔ بہر حال اس اقتباس کے ضمن میں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ یہ پورا مضمون علی گڑھ یونیورسٹی کے سلسلے میں لکھا گیا ہے اور اس کی بنیادی غرض ہی یہ ہے کہ یہ نام کی اسلامی یونیورسٹی حقیقی معنوں میں اسلامی یونیورسٹی بن جائے اور اسی ضمن میں اس کے کارکنوں کو انہوں نے اپنی سمجھ کے مطابق کچھ مشورے دیے ہیں

جو اُن کے خیال میں اس مقصد کے لیے یونیورسٹی کے مخصوص ماحول وذہنیت اور وہاں کے مخصوص حالات کے لحاظ سے مناسب تر ہیں۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ان کے ان مشوروں سے کسی کو اختلاف ہو لیکن یہ بھی واضح رہے کہ کسی یونیورسٹی کے لیے واقعی کوئی بنا بنایا نصاب مثلاً درسِ نظامیہ کا نصاب، نہ رائج ہوسکتا ہے اور نہ ہی مفید ثابت ہوسکتا ہے اس غرض کے لیے بہر حال انہی لائنوں پر سوچ کر کوئی نصاب تیار کرنا ہوگا۔ رہی یہ بات کہ مذہب قرآن اور حدیث و فقہ کے بارے میں مولانا مودودی صاحب کے خیالات کیا ہیں؟ تو ظاہر ہے کہ اس کا فیصلہ ایک غیر متعلق اور ضمنی بات سے نہیں کیا جاسکتا اس کے لیے ان کے وہ خیالات دیکھنے پڑیں گے جو انہوں نے ان امور کے سلسلے میں ظاہر کیے ہیں، اور ان کی کتابیں پڑھنے والا بآسانی فیصلہ کرسکتا ہے کہ وہ بہر حال اس سے مختلف ہیں جو مفتی صاحب نے ظاہر کیے ہیں۔

اسی طرح کی ایک بات مفتی صاحب کی نقل کردہ یہ عبارت یہ بھی ہے:-

"قرآن کی تفسیر کے لیے کسی تفسیر کی حاجت نہیں، ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر کافی ہے"۔

آپ خود غور فرمائیں کہ اس عبارت کے پڑھنے والے کے ذہن پر مولانا مودودی صاحب کے بارے میں کیا اثر طاری ہوگا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ آں جناب نے اپنے مکتوب گرامی میں آزاد خیالی وغیرہ کے سلسلے میں جو بہت سی باتیں تحریر فرمائی ہیں وہ اسی طرح کے اقتباسات کا نتیجہ ہیں۔ مفتی صاحب کا کمال ملاحظہ ہو۔ سب سے بڑا ظلم تو انھوں نے یہ کیا کہ ان کا پورا فقرہ نقل نہیں کیا، صرف وہ حصہ لیا جس سے ان کا مطلب پورا ہورہا ہو اور دوسرا ظلم یہ ہے کہ انھوں نے یہاں بھی یہ واضح کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ یہ بات کس موقع پر کہی گئی ہے جس سے بات کہیں سے کہیں جا پہنچی ہے۔ آپ کی سہولت کے لیے میں پورا فقرہ اور اس کے بعد کے متصل فقرے بھی یہاں نقل کیے دیتا ہوں، اس سے آپ خود اندازہ کرلیں گے کہ پوری بات کیا ہے اور وہ کس موقع پر کہی گئی۔ اصل میں یہ مضمون بھی مسلم یونیورسٹی کے نصاب ہی کے ضمن کا ہے اور اس میں جو بات کہی گئی ہے وہاں کے لیے کہی گئی ہے نہ یہ کہ مولانا واقعی تفسیر کی ضرورت کا انکار کر رہے ہیں۔ جیسا کہ مفتی صاحب ثابت کرنا چاہتے ہیں:-

"قرآن کے لیے کسی تفسیر کی حاجت نہیں، ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر کافی ہے جس نے قرآن کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا ہو اور جو جدید طرز پر قرآن پڑھانے اور سمجھانے کی

اہلیت رکھتا ہوا اپنے لکچروں سے انٹرمیڈیٹ میں طلبہ کے اندر قرآن فہمی کی ضروری استعداد پیدا کرے گا۔ پھر بی اے میں ان کو پورا قرآن اس طرح پڑھا دے گا کہ وہ عربیت میں بھی کافی ترقی کر جائیں گے۔ اور اسلام کی روح سے بخوبی واقف ہو جائیں گے۔"

(تنقیحات صـ ۲۲۸)

بہرحال، مجھے اس وقت "کشف حقیقت" پر کوئی تبصرہ کرنا مقصود نہیں ہے۔ انشاء اللہ اگر ضرورت پڑی تو اس کی حقیقت ہم ایک علیحدہ مضمون میں واضح کریں گے۔ فی الحال مقصد محض آپ کو یہ دکھانا ہے کہ مظاہر العلوم جیسے مستند دار الافتاء سے جو فتویٰ شائع ہوا ہے اس میں اصولِ دیانت و انصاف کو کہاں تک ملحوظ رکھا گیا ہے۔

اس کے بعد میں خانقاہِ اشرفیہ کے فتوے کا کچھ حوالہ دینا چاہتا ہوں۔ اس فتوے میں بھی بعینہٖ وہی اقتباسات نقل کیے گئے ہیں جو "کشف حقیقت" کے ضمن میں اوپر گزر چکے ہیں۔ اس لیے ان اقتباسات کے بارے میں اب مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ اس میں کچھ مزید اقتباسات بھی دیے گئے ہیں، جن میں بعض تو ایسے ہیں کہ واقعی میں اب تک سمجھ نہیں سکا ہوں کہ ان کے پیش کرنے سے جناب مفتی صاحب کا مقصود کیا ہے۔ ہم جیسے نالائقوں کو تو بظاہر اس میں کوئی بات بھی ایسی نظر نہیں آتی جو ایمان کے لیے خطرہ ہو الّا یہ کہ ہم بھی پہلے اپنے ذہن کو ان کے خطرہ سے ہوشیار کرنے والی باتوں سے مسموم کر کے اس کا مطالعہ کریں یا اُن لوگوں کے زمرے میں داخل ہو جائیں جو خود اپنی عقل و فہم سے کام لینے کی بجائے ہر بات دوسروں ہی کی عقل یا آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ مثلاً یہ عبارت:۔

"اسلام دراصل اس تحریک کا نام ہے جو خدائے واحد کی حاکمیت کے نظریہ پر انسانی زندگی کی پوری تعمیر کرنا چاہتا ہے۔"

اور بعض اقتباسات ایسے ہیں کہ ان کے نقل کرنے میں بھی اسی کمال دیانت کا مظاہرہ کیا گیا ہے جو اوپر گزر چکا ہے مثلاً تفہیمات کے حوالہ سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے:۔

"اس میں شک نہیں انبیاء علیہم السلام سب کے سب انقلابی لیڈر تھے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے انقلابی لیڈر تھے۔"

یہاں تک تو عبارت بالکل ٹھیک نقل کی گئی لیکن اس کے بعد ہی "لیکن" کے ساتھ مصنف

نے جو پیراگراف لکھا ہے اور جس کو سامنے رکھے بغیر ان کا مفہوم ناقص رہ جاتا ہے اسے حذف کر دیا گیا ہے۔ پوری عبارت لکھنے میں طوالت ہوگی لیکن کچھ فقرے جو مذکورہ عبارت کے مابعد شروع ہوئے ہیں ان کو ضرور ملاحظہ فرمالیجئے تاکہ اندازہ ہوسکے کہ یہ مفہوم سمجھنے کے لیے کتنے ضروری تھے۔

"لیکن جو چیز دنیا کے عام انقلابیوں اور ان خدا پرست انقلابی لیڈروں کے درمیان واضح خط امتیاز کھینچتی ہے وہ یہ ہے کہ دوسرے انقلابی لوگ خواہ کتنے ہی نیک نیت کیوں نہ ہوں، عدل اور توسط کے صحیح مقام کو نہیں پاسکتے۔ وہ یا تو خود مظلوم طبقوں سے اٹھتے ہیں یا ان کی حمایت کا جذبہ لیکر اٹھتے ہیں اور پھر سارے معاملات کو ان ہی طبقوں کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی نظر غیر جانبدارانہ اور خالص انسانیت کی نظر نہیں ہوتی۔۔۔۔۔۔۔ بلکہ بخلاف اس کے انبیاء علیہم السلام خواہ کتنے ہی ستائے گئے ہوں اور کتنا ہی ان پر اور ان کے ساتھیوں پر ظلم کیا گیا ہو ان کی انقلابی تحریک میں کبھی ان کے شخصی جذبات کا اثر آنے نہیں پاتا۔ وہ براہ راست خدا کی ہدایت کے تحت کام کرتے تھے۔"

یہ تو ہمارے مفتیوں کے کمال دیانت کا حال ہوا، لیکن ایک مثال میں اور پیش کرنی چاہتا ہوں جسے میں سمجھ نہیں پاتا کہ ان کی کمال دیانت کے تحت رکھوں یا کمال فہم و ہوشمندی کے۔ اور وہ یہ ہے کہ ان دونوں فتووں میں "تجدید" کے حاشیے کی حسب ذیل عبارت بھی مولانا مودودی اور ان کے ساتھ پوری جماعت اسلامی کی گمراہی کے ثبوت میں پیش کی گئی ہے،

"اسلامی اصطلاح میں جس کو فرشتہ کہا جاتا ہے وہ تقریباً وہی چیز ہے جس کو یونان اور ہندوستان وغیرہ ممالک کے مشرکین نے دیوی دیوتا قرار دیا۔"

اگر واقعی اس عبارت کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر دیکھا جائے جیسا کہ ان فتووں میں کیا گیا ہے تو یقیناً اس سے مولانا مودودی کے بارے میں شدید بدگمانی پیدا ہوسکتی ہے کیونکہ اس صورت میں اس کا جو مفہوم ذہن میں آئے گا وہ یہ ہوگا کہ ان کے نزدیک فرشتوں کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ مشرکین کے دیوی دیوتا کے عقیدے کے مشابہ ہے گویا غلط یا بے اصل ہے۔ لیکن اگر اس کو اس کے محل میں رکھ کر دیکھا جائے تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اس میں کفر و گمراہی کی کون سی بات پائی جاتی ہے۔

مصنف نے جاہلیت مشرکانہ کے عنوان سے ایک فصل لکھی ہے جس کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

"دوسرا مابعد الطبیعی نظریہ یہ ہے کہ کائنات کا سارا انتظام اتفاقی تو نہیں ہے اور نہ بے خداوند ہے مگر اس کا ایک خداوند نہیں بلکہ بہت سے خداوند ہیں۔ یہ خیال چونکہ کسی ثبوت پر مبنی نہیں ہے بلکہ محض خیال آرائی پر اس کی بنا ہے، اس لیے موہوم، محسوس اور معقول اشیاء کی طرف خداوندی والوہیت کو منسوب کرنے میں مشرکین کے درمیان نہ کبھی اتفاق ہو سکتا ہے، نہ کبھی ہوا ہے۔ اندھیرے میں بھٹکنے والوں کا ہاتھ جس چیز پر بھی پڑ گیا وہ خدا بنا لی گئی اور خداؤں کی فہرست ہمیشہ گھٹتی بڑھتی رہی۔ فرشتے، جن، ارواح، سیارے، زندہ اور مردہ انسان، درخت، پہاڑ، جانور، دریا، جن، آگ اور معانی مجردہ مثلاً محبت، حُسن، شہوت، قوت، تخلیق، بیماری، جنگ، لچھمی، شکتی وغیرہ اور خیالی مرکبات مثلاً شیر انسان، ماہی انسان، پرند انسان، چہار سرا، ہزار دستہ خرطوم بینی وغیرہ مشرکین کے معبودوں میں جگہ پاتے رہے ہیں۔"

اس عبارت میں مصنف نے لفظ "فرشتے" پر مذکورہ بالا حاشیہ درج کیا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اس عبارت میں مصنف نے فرشتوں کی صحیح شرعی حیثیت کی توضیح نہیں کرنی چاہی ہے بلکہ موقع کی مناسبت سے وہ صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ یہاں مشرکین کے معبودوں کی فہرست میں فرشتوں کا لفظ دیکھ کر دھوکا نہ ہو۔ کیونکہ اسلامی اصطلاح میں جن کو ہم فرشتہ کہتے ہیں وہ وہی ہستیاں ہیں جن کو مشرکین دیوی دیوتا کہتے ہیں اور ان کو خدائی میں شریک ٹھیراتے ہیں اور جن لوگوں نے ہندی اور یونانی دیومالاؤں کا مطالعہ کیا ہے وہ اس سے بخوبی واقف ہیں کہ ان کے ماننے والوں نے درحقیقت "مدبرات امر" ہی کو دیوی اور دیوتا مانا ہے اور یہی مولانا کا بھی خیال ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ اس لیے واقعہ یہ ہے کہ اس حیثیت سے اگر کوئی شخص ان مشرکین کے تصورات کے مطابق ان دیوی اور دیوتاؤں کی تعبیر کسی مابعد الطبیعاتی اسلامی اصطلاح میں کرنا چاہے تو وہ ان کے لیے فرشتہ کا لفظ استعمال کر سکتا ہے اور مولانا نے تو مزید احتیاط کے لیے "تقریباً" کے لفظ کا بھی اضافہ کر دیا ہے تاکہ ہر لحاظ سے اسلامی اور غیر اسلامی تصور کے ایک ہونے کا تصور پیدا نہ ہو سکے۔

باقی رہی یہ بات کہ فرشتہ کا جو صحیح اسلامی تصور ہے وہ دیوی اور دیوتا کے تصور سے کتنا مختلف ہے

اس کی تشریح کا یہ موقع نہیں تھا لیکن جیسا کہ آگے آئے گا خود مصنف نے ان دونوں کے فرق کو نہایت تفصیل سے واضح کیا ہے اور اس فرق کو وہ اسلام کا بڑا کارنامہ سمجھتے ہیں۔

اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ اس عبارت میں کسی غلط ابہام کی گنجائش ہے تو کیا ان مفتیوں کا یہ فرض نہیں تھا کہ وہ اس عبارت کا مطلب مصنف کو جو کوئی گمنام شخصیت نہیں ہیں اور ان کی تصنیفات کو جو ہر جگہ سے بآسانی مل سکتی ہیں اور جن کی ان حضرات نے چھان بین کی ہے جیسا کہ ان اقتباسات سے واضح ہوتا ہے، سامنے رکھ کر سمجھنے کی کوشش کرتے، ہمارے نزدیک یہ اصول کم ازکم فتویٰ نویسی کے لیے بہت ضروری ہے ورنہ ہوسکتا ہے کہ بڑے بڑے اکابرین جن کا ہم سب احترام کرتے ہیں، اپنی بعض عبارتوں کے ذریعہ کچھ اس طرح کے الزامات کا تختۂ مشق بن جائیں جیسا کہ اس سے پہلے بھی بارہا ہو چکا ہے۔

فرشتوں کے بارے میں مصنف کا عقیدہ کیا ہے؟ اسے معلوم کرنے کے لیے صرف ان کی کتاب "رسالۂ دینیات" کافی تھی جو ہر جگہ آسانی سے دستیاب بھی ہو سکتی ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے ایک خاص باب "خدا کے فرشتوں پر ایمان" کا قائم کیا ہے جس کے تحت انہوں نے لکھا ہے:۔

"اوپر تم کو بتایا جا چکا ہے کہ مشرکین نے خدائی میں دو قسم کی مخلوقات کو شریک کیا ہے۔ ایک قسم ان مخلوقات کی ہے جو جسمانی وجود رکھتی ہیں اور نظر آتی ہیں مثلاً سورج، چاند اور تارے، آگ اور پانی اور بزرگ انسان وغیرہ۔ دوسری قسم اُن مخلوقات کی ہے جن کا وجود جسمانی نہیں ہے بلکہ وہ نظروں سے اوجھل ہیں اور پس پردہ کائنات کا انتظام کر رہی ہیں۔ مثلاً کوئی ہوا چلانے والا، کوئی پانی برسانے والا اور کوئی روشنی بہم پہنچانے والا۔ ان میں سے پہلی قسم کی چیزیں تو انسان کی آنکھوں کے سامنے موجود ہیں اس لیے ان کی خدائی کی نفی خود لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے الفاظ ہی سے ہو جاتی ہے لیکن دوسری قسم کی مخلوقات پوشیدہ اور پراسرار ہیں، مشرکین زیادہ تر ان ہی کے گرویدہ ہیں، ان ہی کو دیوتا اور خدا اور خدا کی اولاد سمجھتے ہیں، ان ہی کی فرضی صورتیں بنا کر نذر و نیاز چڑھاتے ہیں لہٰذا توحید الٰہی کو شرک کے اس دوسرے شعبے سے پاک کرنے کے لیے ایک مستقل عقیدہ بیان کیا گیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے کہ یہ پوشیدہ نورانی ہستیاں جن کو تم دیوتا اور خدا اور اولادِ خدا کہتے ہو دراصل یہ خدا کے فرشتے ہیں۔ ان کا خدائی میں کوئی دخل نہیں۔ یہ سب خدا کے تابعِ فرمان ہیں اور اس قدر مطیع ہیں کہ حکمِ الٰہی سے بال برابر بھی سرتابی نہیں کر سکتے۔ خدا ان کے ذریعہ سے اپنی سلطنت کی تدبیر کرتا ہے اور یہ ٹھیک ٹھیک اس کے فرمان بجا لاتے ہیں۔"

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف تو ہم کو فرشتوں کی پرستش کرنے اور خدائی میں ان کو شریک ٹھیرانے سے روک دیا۔ دوسری طرف آپ نے ہمیں یہ بتایا کہ فرشتے خدا کی برگزیدہ مخلوقات ہیں، گناہوں سے پاک ہیں، ان کی فطرت ایسی ہے کہ وہ خدا کے احکام کی نافرمانی کر ہی نہیں سکتے۔ وہ ہمیشہ خدا کی بندگی و عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔"

اس کے آگے وہ لکھتے ہیں:۔

"فرشتوں کی حقیقت ہم کو نہیں بتائی گئی، صرف ان کی صفات بتائی گئی ہیں اور ان کی ہستی پر یقین رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہمارے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں کہ وہ کیسے ہیں اور کیسے نہیں، لہٰذا اپنی عقل سے ان کی ذات کے متعلق کوئی بات تراش لینا جہالت ہے اور ان کے وجود سے انکار کرنا کفر ہے کیونکہ انکار کے لیے کسی کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور انکار کے معنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ جھوٹا قرار دینے کے ہیں۔ ہم ان کے وجود پر صرف اس لیے ایمان لاتے ہیں کہ خدا کے سچے رسول نے ہم کو ان کی خبر دی ہے۔" (رسالہ دینیات ص۱۰۷)

میں پوری فصل خوفِ طوالت سے نقل نہیں کر سکا۔ لیکن جو جملے نقل ہوئے ہیں ان کو دیکھ کر فیصلہ کیا جائے کہ فرشتوں کے بارے میں جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اسلامی نقطہ نظر سے ان کی حقیقت یہی ہے یا کچھ اور؟

میں ان مثالوں میں آپ کا وقت کہاں تک ضائع کروں۔ تقریباً تمام اقتباسات اور حوالہ جات میں اسی طرح کا ظلم روا رکھا گیا ہے، پوری بات نقل نہیں کی گئی ہے یا ان پر غلط حاشیہ

چڑھاکران کا مطلب کچھ سے کچھ کر دیا گیا ہے۔ میں تو ان مثالوں کو دیکھ کر سخت حیران ہوں کہ اگر اس طرح کے مستند دارالافتاؤں کی فتویٰ نویسی کا یہی معیار ہے تو لوگ دوسرے بدنام دارالافتاؤں کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے اور اس معیار کو اپنا کر خود ان حضرات کو اپنے مخالف فتویٰ نویسوں سے اس شکایت کا کیا حق ہے کہ وہ ان پر ظلم کرتے ہیں اور اگر اس کے بعد عام لوگ ان فتوؤں کا وہ وزن محسوس نہ کریں جو انہیں محسوس کرنا چاہیے تو وہ اس میں کہاں تک قصوروار ہیں۔ فتوؤں کی بے وزنی جو یقیناً ایک افسوس کی بات ہے، اسی طرح تو پیدا ہوئی ہے۔

(۳) اور میں اس پر بھی اصرار نہیں کرنا چاہتا کہ آپ ان اقتباسات کو غلط ہی سمجھیں، حقیقتاً ایک مومن کا حقیقی منصب یہی ہے کہ وہ اپنے دوسرے بھائی کی دیانت اور سمجھ بوجھ ہر چیز کے بارے میں حتی الوسع حسنِ ظن سے کام لے اور جبکہ آپ نے اتفاق سے تحقیق بھی نہیں فرمائی ہے تو آپ کے لیے صحیح مقام حسنِ ظن ہی ہو سکتا ہے لیکن پھر بھی یہ سوال اپنی جگہ باقی رہ جاتا ہے کہ کیا محض اقتباسات کسی فرد یا جماعت کے بارے میں کوئی اچھی یا بُری رائے قائم کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اب میرے علم میں جو اقتباسات آئے ہیں وہ زیادہ تر یک طرفہ ہیں۔ ان میں مستفتیوں نے چاہے جس غرض کے لیے بھی ہو، صرف وہ عبارتیں نقل کی ہیں جن سے مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے بارے میں کوئی بدگمانی پیدا ہوتی ہے اور ہمارے مفتی حضرات نے اپنے اس اصول کے مطابق کہ وہ تحقیق کے ذمہ دار نہیں ہیں، ان کا کام محض اتنا ہے کہ جو غلط یا صحیح صورت حال بھی ان کے سامنے پیش کر دی جائے اس کا وہ قلم برداشتہ جواب تحریر کر دیا کریں، ان پر اظہارِ خیال فرما دیا ہے۔ یا بعض مفتی حضرات نے خود اپنے طور سے بھی اپنے خیالات کے ثبوت میں کچھ تحریریں نقل کی ہیں۔ لیکن یا تو وہ ان ہی مستفتیوں کی پیش کردہ عبارتوں سے ماخوذ معلوم ہوتی ہیں یا ان سے کچھ مختلف ہیں تو وہ بھی یک طرفہ ہی ہیں اور ایک مفتی صاحب نے تو یہ کمال کیا ہے کہ انہوں نے اپنی غیر جانبداری کا مظاہرہ کرنے کے لیے کچھ اقوال ایسے بھی نقل کیے ہیں جو عام اقتباسات کے خلاف ہیں اور جن سے عائد کردہ الزامات کی تردید ہوتی ہے تو ان پر اپنی طرف سے حاشیہ چڑھا کر بالکل بے معنیٰ کر دیا گیا ہے جیسا کہ مظاہر علوم کے فتوے کی شان ہے۔ ایسی حالت میں جب تک کہ دوسرے پہلو بھی سامنے نہ لائے جائیں محض ان یک طرفہ اقتباسات پر تکیہ کر لینا اس فرد پر یا جماعت پر

کتنا بڑا ظلم معلوم ہوتا ہے۔

پھر اس کے علاوہ یہ بات اس ضمن میں بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ اقتباسات کتنے ہی صحیح کیوں نہ ہوں، محض اقتباسات سے کوئی صحیح رائے قائم نہیں کی جاسکتی جب تک کہ پورا سیاق و سباق سامنے نہ ہو اور یہ بات گذشتہ مثالوں سے بھی واضح ہو چکی ہے جو نمبر ۲ میں درج ہوئی ہیں اور اگر آپ فرمائیں تو میں ایک عبارت کو لیکر یہ واضح کروں کہ اس چیز کے نظر انداز کر دینے سے بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے۔

بحث کو مختصر کرنے کے لیے میں احتیاط کے اس پہلو پر بھی زور نہیں دیتا۔ میں تھوڑی دیر کے لیے یہ بھی تسلیم کیے لیتا ہوں کہ بہت سے لوگوں کے لیے اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ تحقیق میں زیادہ وقت صرف کریں اور مخالف و موافق تمام پہلوؤں کو سامنے لائیں، ان کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ چند باتیں دیکھ کر وہ ان کی تہہ میں پہنچ جائیں۔ ایسے نفوس ذکیہ کے وجود کا میں منکر نہیں ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان اقتباسات کو دیکھ کر جو رائے قائم کی گئی ہے وہ خواہ مخواہ مولانا مودودی صاحب کے ساتھ پوری جماعت اسلامی پر کیوں چسپاں کر دی جائے، حالانکہ یہ بارہا وضاحت کی جاچکی ہے کہ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی دونوں ایک نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں میں خود دار العلوم کے مہتمم جناب مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں ایک نہایت مفصل خط لکھ چکا ہوں جو رسالہ زندگی بابت اگست و ستمبر ۵۰ء میں شائع بھی ہو چکا ہے اور ابھی حال ہی میں مولانا کی طلب پر اس کی دوبارہ نقل بھی بھیجی جا چکی ہے۔ براہِ عنایت اسے ملاحظہ فرمالیں۔ اس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ اگر بالفرض وہ سب باتیں درست بھی ہیں جو مولانا مودودی صاحب کی طرف حضرات مفتیان کرام نے منسوب کی ہیں تو اس سے جماعت پر کوئی حرف نہیں آتا کیونکہ جماعت مولانا مودودی کے شخصی خیالات و افکار کی پابند نہیں ہے وہ محض اصولوں پر مبنی ہے اور صرف ان اصولوں کے لیے اپنے کو پابند سمجھتی ہے اور خدا کا شکر ہے کہ اس وقت تک کسی مفتی صاحب کو جرأت نہیں ہوئی ہے کہ وہ ان اصولی باتوں پر حرف گیری کرتے اور ان کو غلط ٹھیراتے۔ یہ اور بات ہے کہ فتوؤں میں اُن کی تائید سے کوئی غرض نہیں رکھی گئی ہے گویا وہ حضرات مفتیان کرام کے نزدیک کسی طرح لائق اعتنا

ہی نہیں ہیں۔ جماعت کے خلاف زیادہ سے زیادہ جو بات وہ کہہ سکے ہیں وہ یہی کہ مولانا مودودی کے خیالات ایسے اور ایسے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ جماعت پر اعتراض نہیں ہے کیونکہ جماعت مولانا مودودی کا نام نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ جماعت کے لوگ ان کی کتابوں کو پڑھتے پڑھاتے ہیں تو بے شک یہ بات صحیح ہے لیکن الحمدللہ جماعت میں عام طور سے پڑھے لکھے لوگ داخل ہیں اور ان کی کم سے کم خصوصیت یہ ہے کہ وہ مولانا مودودی صاحب کے اندھے مقلّد نہیں ہو سکتے کیونکہ جماعت میں آتے ہی وہ لوگ ہیں جو پہلے ہی سے اندھی تقلید سے متبرا تھے، یا داخل ہوتے وقت انہوں نے اسے خیرباد کہہ دیا ہے۔ ان میں یا تو علماء ہیں جو خود علم اور سمجھ بوجھ رکھتے ہیں، یا جدید تعلیم یافتہ لوگ ہیں جن کو اندھی تقلید سے ایسے ہی نفرت ہے اور پھر مولانا مودودی نے خود بھی اپنے لٹریچر کے ذریعہ اس طرح کی تقلید کی راہ بند کرنی چاہی ہے جو ہمارے بہت سے مفتیوں کے لیے ایک بڑی وجہ شکایت ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اس طبقہ کا علمِ دین ناقص ہے، اس لیے اس کا مولانا مودودی صاحب کے ذاتی خیالات سے متأثر ہو جانا بہت زیادہ اغلب ہے تو ہو سکتا ہے کہ کچھ افراد کے ضمن میں اس اندیشہ کی گنجائش ہو لیکن اول تو مجھے نہیں معلوم کہ مولانا مودودی کے کون سے ایسے خیالات ہیں جن کو قبول کرکے آدمی کے ایمان میں فرق آنے کا اندیشہ ہو، ان کی بہت سی باتیں غلط ہو سکتی ہیں لیکن انہوں نے کوئی ایسی بات ہمارے علم میں پیش نہیں کی ہے جس پر انہوں نے کتاب وسنت سے ہی کوئی استدلال نہ کیا ہو، یا جس میں وہ بالکل ہی منفرد رہے ہوں اور عام طور سے اس ضمن میں جو باتیں ان کے خلاف اب تک پیش کی گئی ہیں وہ زیادہ تر ایسے امور کے متعلق ہیں جن میں بہرحال دائرۂ دین کے اندر ہوتے ہوئے اختلاف کی گنجائش ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ کسی خاص فرد یا ادارہ کے مسلک ورجحان کے خلاف ہوں۔ ایسی حالت میں اختلاف کرنے والوں کو اختلاف کرنے کا ضرور حق ہے لیکن اتنی تنگ دلی اور تنگ نظری تو بہرحال نہیں ہونی چاہیئے کہ اس میں بھی اپنے سوا کسی اور کے جینے کا حق ہی تسلیم نہ کیا جائے خواہ خود دین نے اس کی گنجائش رکھی ہو۔ اور اگر واقعی کوئی اندیشہ کی بات ہو بھی تو ہمارے علماء کو کس نے روکا ہے کہ وہ اس سے زیادہ زوردار طریقہ سے ان باتوں کی تردید نہ کریں اور اگر وہ حق واضح کر سکے تو انشاء اللہ وہ اس طرح کے لوگوں کو مودودی صاحب کے بجائے ان امور میں اپنا ہم خیال پائیں گے۔ ہم نے بہت سے مذہبی دائروں کی طرح اپنے رفقاء کو اس سے روکا

نہیں ہے کہ وہ دوسرے دائروں سے بھی استفادہ کریں اور نہ ان رفقاء میں ہی اس طرح کی ذہنیت ابھی تک پیدا ہوسکی ہے البتہ جو غیریت اور نفرت ان حلقوں کی طرف سے جماعت اسلامی کے متعلقین کے ساتھ روا رکھی جاتی ہے اس کی بنا پر مجھے اس کا اندیشہ ضرور ہے کہ کہیں اس کا ردعمل اسی انداز میں ظاہر ہونا نہ شروع ہوجائے لیکن ہم حتی الوسع انشاء اللہ اس کو روکنے ہی کی کوشش کریں گے اور واقعہ تو یہ ہے کہ خود یہ طبقہ بھی جماعت میں داخل ہوکر مولانا مودودی کا کوئی شخصی مقلد نہیں بن گیا ہے۔ اگر وہ پہلے سے واقعی ملحد و بے دین تھے اور جماعت کا لٹریچر پڑھنے سے ان میں تبدیلی پیدا ہوئی ہے اور یقیناً ایسے بہت سے لوگ ہیں اور یہ تو ہمارے مخالفین تک کو اعتراف ہے کہ یہ لٹریچر ایسے لوگوں کے لیے بہت مفید ہے۔ اگرچہ جوشِ مخالفت میں انہوں نے ایسی چیزوں پر بھی پردہ ڈال دیا ہے ـــــ تو جماعت کا مزاج اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد وہ اپنے عام عقائد و اعمال میں عام دینی روش سے ہٹے ہوئے نہیں ہیں کیونکہ دین کا شوق ان کو خود دین کے سرچشموں کی طرف متوجہ کردیتا ہے اور اگر ایسے نہیں تھے تو عام فقہی مسائل میں یہ لوگ پہلے سے جو مسلک اختیار کیے ہوئے تھے اسی کے پابند ہیں۔ ہاں اگر کچھ ان میں فرق آیا ہے تو صرف اس حیثیت سے کہ ان کا رویہ ان امور میں اگر پہلے سے متشددانہ رہا ہے تو اس میں اتنی نرمی پیدا ہوگئی ہے کہ وہ فقہی جزئی اختلاف کو وسعتِ قلب کے ساتھ برداشت کرلیں ـــــ ہاں ایسا ہوسکتا ہے، اور میرے علم میں بھی بعض مثالیں ایسی آئی ہیں کہ بعض لوگ مولانا مودودی کی شخصیت سے زیادہ متاثر ہوجاتے ہیں اور اپنے علم کی کمی کی وجہ سے وہ ان کے شخصی افکار و خیالات کو بھی محض اس بنیاد پر اپنا رہے ہیں کہ ان کو مولانا مودودی نے پیش کیا ہے یا وہ ان کی زندگی اور طرزِ زندگی کو بجائے خود کوئی اسوہ کی چیز سمجھنے لگ گئے ہوں لیکن یقیناً یہ وہ لوگ نہیں ہیں جن کا جماعت سے کوئی تعلق ہو اور نہ ایسے لوگ جماعت کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے کے معیار بن سکتے ہیں ایسے سبک سر لوگ ہر دائرے کے اندر موجود ہیں اور ظاہر ہے وہ ان کے جانچنے کے معیار نہیں ہیں۔ بہرحال، اس طرح کے لوگوں کے بارے میں بھی، ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ جب وہ ہم سے قریب ہوں گے اور رفتہ رفتہ تحریک اسلامی کے مزاج سے واقف ہوتے جائیں گے جو کتاب و سنت پر مبنی ہے اور جس کا مزاج پیدا کرنے کے لیے ہم اپنی وسعت کے مطابق پورا اہتمام کرتے ہیں تو ان شاء اللہ

ان کی غیر معقول اثر پذیری صحیح شکل اختیار کرے گی۔

اس لحاظ سے ہم اسے بہت غلط سمجھتے ہیں کہ اس طرح کے اندیشوں کی وجہ سے نفس دعوت کی مخالفت شروع کر دی جائے جیسا کہ اس وقت کیا جا رہا ہے، دراں حالیکہ یہ مخالفت کرنے والے اسے بڑی ہنسی خوشی گوارا کر لیتے ہیں کہ لوگ خالص غیر اسلامی جماعتوں میں داخل ہوں اور ان کے لیڈروں کو اپنا مقتدا اور پیشوا بنائیں، وہاں ان کو اس طرح کا کوئی اندیشہ لاحق نہیں ہوتا کہ ان کے شخصی خیالات و کردار ان مسلمانوں پر بھی اثر انداز ہوں گے، اور جماعت اسلامی کے ضمن میں یہی اندیشہ ان کے لیے سب سے زیادہ پریشانی کا باعث بن جاتا ہے۔ معلوم نہیں اس فرق کی کیا توجیہ کی جا سکتی ہے۔

بہرحال، ہماری کوشش یہی ہے کہ دین کا صحیح علم و عمل پیدا ہو، ہم اس میں کوتاہ قرار دیے جا سکتے ہیں اور یقیناً کوتاہ ہیں لیکن یہ فرض کر لینا کہ یہ بے دینوں کی جماعت ہے جو بے دینی پھیلانے کے لیے قایم ہوئی ہے، میرے نزدیک بہت بڑا ظلم ہے۔ معلوم نہیں آپ کو معلوم ہے یا نہیں کہ جماعت اسلامی میں خود دارالعلوم کے کتنے فضلاء اور آپ کے کتنے شاگرد داخل ہیں۔ کیا آپ یہ فرض کر سکتے ہیں کہ وہ انہی باتوں کو تسلیم کرتے اور ان کی تبلیغ کر رہے ہوں گے جو آں جناب نے مثلاً ۱۹ دفعات کے تحت اپنے مکتوب گرامی میں گنوائے ہیں۔ میں نے مفتی دارالعلوم کے ایک فتوے کو دیکھ کر مولانا محمد طیّب صاحب کو ایک خط لکھا تھا جس کا موصوف نے اب تک جواب بھی مرحمت نہیں فرمایا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اس کے کچھ حصّے یہاں بھی نقل کر دوں۔

(یہ خط ۲۶ ربیع الاوّل ۷۶ھ کو لکھا گیا تھا اور متعدد بار جواب کے لیے یاد دہانی کی جا چکی ہے)

عرصہ ہوا میں نے ایک خط جناب کی اس تحریر کے سلسلے میں ارسال خدمت کیا تھا جو جماعت اسلامی کے بارے میں "کوائف دارالعلوم" میں شائع کی تھی۔ آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ کسی فرصت کے وقت اس کا جواب تحریر کریں گے لیکن بدقسمتی سے یہاں کے قیام کی مدت میں شاید اس کی طرف توجہ کا موقع نہیں مل سکا اور اس کے بعد تو آپ باہر ہی تشریف لے گئے جس کی بنا پر میں خود بھی اس کے متعلق یاد دہانی نہیں کر سکا لیکن اب جبکہ آپ واپس تشریف لے آئے ہیں میری دلی خواہش ہے کہ میرے خط کو دوبارہ ملاحظہ فرما کر اس کے جواب سے سرفراز فرمائیں۔

میرا خیال ہے کہ جماعت سے باہر کے علماء میں شاید آں جناب کو جماعت اسلامی اور اس کی تحریک سے سب سے واقفیت ہے اور میں یہ بھی حسنِ ظن رکھتا ہوں کہ آپ اپنی اس واقفیت کی بنا پر اس تحریک کو بنیادی حیثیت سے ضروری اور مفید بھی خیال فرماتے ہیں جیسا کہ مجھے مختلف ذرائع سے اطلاع ملی ہے اور جو خود آنجناب کی مذکورہ تحریر سے بھی واضح ہے اس لیے جی چاہتا ہے کہ جن امور میں آپ کو کچھ تردّد یا اشتباہ پیش آرہا ہے، ان کے متعلق بھی ہمارے اور آپ کے درمیان واضح طور سے گفتگو ہو جائے تاکہ یہ مسائل پوری طرح منقح ہو جائیں۔ اسی خواہش کے تحت میں دوبارہ اس خط کے جواب کی یاد دہانی کرانا چاہتا ہوں۔

اس ضمن کی ایک اور بات بھی آپ کے علم میں لے آنا ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ کی مذکورہ تحریر کے ساتھ صدر مفتی دار العلوم مولانا سید مہدی حسن صاحب کا بھی ایک تصدیقی نوٹ شائع ہوا تھا جس میں انھوں نے آپ کے خیالات سے اتفاق ظاہر فرمایا تھا۔ لیکن ابھی حال میں ان کا ایک خط دیکھ کر مجھے تعجب ہوا کہ انھوں نے ایک مستفسر کے جواب میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ جماعت اسلامی کے لٹریچر کے پڑھنے سے دینی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر انھوں نے فتویٰ دیا ہے کہ اس جماعت میں شرکت نہ کی جائے اور نہ اس جماعت کے ساتھ تعاون کیا جائے۔ ان کا یہ فتویٰ بجائے خود کیا حیثیت رکھتا ہے اور یہ ان کی واقفیت کا مظہر ہے یا محض ناواقفیت اور بدگمانی کا، یہ تو ایک علیحدہ سوال ہے لیکن یہ فتویٰ دیتے وقت غالباً وہ یہ بات بھی یاد نہ رکھ سکے کہ اس سے پہلے وہ آپ کی تحریر کی تائید کر چکے ہیں جس میں اس کے برعکس خیال کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس طرح کی تحریریں پڑھ کر قدرتی طور سے دل دکھتا ہے لیکن اس کا شکوہ کس سے کریں ـــ فالی اللہ المشتکی

خدا جانتا ہے، اگر کوئی ہماری مخالفت کسی معقول بنیاد پر کرے تو ہمیں اس سے مطلق ملال نہیں ہوگا بلکہ ہم اس کے مشکور ہوں گے اور اس کی بات سے ہمیں اطمینان ہو جائے تو ہم بغیر کسی تردّد کے اسے تسلیم بھی کر لیں گے لیکن یہ حالت تو ہمارے لیے انتہائی موجب قلق ہے کہ تحقیق کیے بغیر محض سُنی سنائی باتوں پر ہماری مخالفت کی جاتی ہے اور کسی معقول دلیل سے ہمیں قائل کرنے کی بجائے ناواقف لوگوں کو اس طرح کی مبہم مجمل اور بے سروپا دلیلیں سنا کر ہم سے متنفر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ بہت سے امور میں شرعی نقطۂ نظر سے علماء حق کو اس جماعت کی تحریک سے

اختلاف ہے اور بعض اہل علم شریک بھی ہوئے تھے لیکن حقیقت حال معلوم ہونے کے بعد اس جماعت اور اس کی تحریک سے علیحدہ ہو گئے۔ بلاشبہ ابھی بہت سے علمار حق جماعت سے علیحدہ ہیں لیکن اسی کے ساتھ اگر مفتی صاحب حق کو کسی خاص گروہ یا دائرہ میں محدود نہ سمجھتے تو بہت سے ایسے علمار اس میں شامل بھی ہیں یا ہم سے اتفاق و ہمدردی رکھتے ہیں جو ہمارے خیال میں ناحق کہلائے جانے کے مستحق نہیں ہیں اور ان میں کتنے وہ ہیں جو خوش قسمتی سے اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جو غالباً مفتی صاحب کے نزدیک تنہا اہلِ حق کا گروہ ہے اور اگر وہ واقف ہونا چاہیں تو ہم ان کے نام بھی اُنھیں گنا سکتے ہیں اور جو لوگ ابھی ہمارے ساتھ نہیں ہیں یا ہم سے اختلاف رکھتے ہیں ان کے بارے میں ہم یقین رکھتے ہیں اور انہی میں مفتی صاحب کو بھی شمار کرتا ہوں کہ ان کا یہ اختلاف زیادہ تر نا واقفیت یا بدگمانی کا نتیجہ ہے اور انشاراللہ وہ جوں جوں جماعت کی دعوت اور اس کی حقیقت سے واقف ہوتے جائیں گے ان کا یہ اختلاف تائید وحمایت سے بدلتا جائے گا جیسا کہ ہم حالات سے دیکھ رہے ہیں۔ پھر بحیثیت مجموعی یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ ان علمار کو اس جماعت کی تحریک سے اختلاف ہے ان کا زیادہ تر اختلاف بعض جزوی فقہی مسائل سے ہے جن کو وہ اپنے خیال کے مطابق اس تحریک کا کوئی جز سمجھتے ہیں حالانکہ یہ حقیقت سے بہت دور کی بات ہے اور جس کی بار بار توضیح کی جاچکی ہے۔

رہی یہ بات کہ بعض اہل علم شریک بھی ہوئے اور پھر حقیقت حال سے واقف ہونے کے بعد اس سے علیحدہ ہو گئے تو اس کا صحیح جواب تو یہ ہو سکتا ہے کہ ہم خود اس طرح کے دو ایک آدمیوں کی وہ تحریریں شائع کر دیتے جو انھوں نے اپنی علیحدگی کے وقت پیش کی تھیں اور جس میں انہوں نے خود ہی اس کے وجوہ بیان کر دیئے ہیں لیکن محض انہی حضرات کی خواہش ایسا کرنے میں مانع ہے۔ تاہم اگر مفتی صاحب کے نزدیک انہی ایک دو اشخاص کا فیصلہ جماعت کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے کے لیے فیصلہ کُن حیثیت رکھتا ہو تو ان کو چاہیئے تھا کہ اس طرح کا کوئی فتویٰ ان کی بنیاد پر دینے سے پہلے خود ان سے جماعت کے بارے میں سوال کر لیتے۔ میں یقین رکھتا ہوں، ان کا جواب ان کے لیے بہت مایوس کن ثابت ہوتا۔"

میں یہاں پھر یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے اوپر جو کچھ عرض کیا ہے اس کا مقصود

یہ نہیں ہے کہ ہم اپنے کو ہر طرح کے عیوب و نقائص سے پاک سمجھتے ہیں۔ کوئی فرد یا جماعت بھی اُس کا دعویٰ نہیں کر سکتی، ہم کس شمار و قطار میں ہیں۔ اس لیے ہم ہر وقت کھلے دل کے ساتھ اس کے لیے آمادہ ہیں کہ ہم پر ہماری غلطیاں واضح کر دی جائیں۔ ہم ایسے لوگوں کے مشکور ہوں گے اور واقعی اگر ہم نے محسوس کر لیا کہ ہم غلطی پر ہیں تو بغیر ایک لمحہ کے توقف و تردد کے اسے مان لیں گے۔ لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم پر ہماری غلطیاں واضح نہیں کی جاتیں۔ البتہ ناواقف لوگوں میں ہمیں طرح طرح سے بدنام کرنا شروع کر دیا جاتا ہے۔ کیا اصلاح کا طریقہ یہی ہے؟ اس سے تو مجھے شبہ ہوتا ہے کہ شاید ہمارے مخالفین کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ کسی طرح ہمارے کام میں روڑے اٹکائیں اور اس شبہ کو اس بات سے اور زیادہ تقویت ہوتی ہے کہ جماعت جو کام کرنا چاہتی ہے اس کو خود بھی نہ کر رہے ہیں اور نہ کرنا چاہتے ہیں۔ درآں حالیکہ آج تک وہ براہ راست اس کو غلط نہیں کہہ سکے ہیں۔

ہم پر سب سے بڑا اعتراض مولانا مودودی صاحب کی کتابوں کے سلسلے میں کیا جاتا ہے، حالانکہ اس کی بار بار وضاحت کی جا چکی ہے کہ مولانا مودودی صاحب ہمارے امام نہیں ہیں کہ ان کی ہر بات ہمارے لیے قابلِ تقلید ہو جائے۔ ایک زمانہ تک وہ ہمارے امیر ضرور تھے اور اب تو وہ امیر بھی نہیں ہیں اور جماعت میں امیر کی جو حیثیت ہے وہ اس کے دستور سے واضح ہے جو کسی درجہ میں حدود شریعت سے متجاوز نہیں ہے اور اگر آپ کو اس کے خلاف باور کرایا گیا ہے جیسا کہ آپ کی تحریر سے واضح ہوتا ہے تو وہ اتہام محض ہے۔ ایسے ہی ان کی کتابیں بھی ہمارے نزدیک قرآن و حدیث کا درجہ نہیں رکھتی ہیں کہ ان میں جو کچھ لکھا گیا ہے سب پر ایمان لے آنا ہم ضروری سمجھتے ہوں۔ ہمارے نزدیک وہ خطاء و نسیان سے مرکب ایک انسان کی تصنیفات ہیں اور اسی حیثیت سے ہم ان کو پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ جو اُن میں اچھی باتیں ہیں ان کو لے لیتے ہیں اور محض اس لیے ان سے پرہیز کرنا ضروری نہیں سمجھتے کہ ہمارے دور کے ایک شخص نے انہیں تصنیف کیا ہے، یا ہم خود اس طرح کی کوئی کتاب تصنیف نہیں کر سکے ہیں اور جو باتیں ہمیں غلط معلوم ہوتی ہیں انہیں ترک اور نظر انداز کر دیتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں، انسان کی تصنیف کی ہوئی ہر تصنیف اسی کی مستحق ہوتی ہے۔

رہی یہ بات کہ جو باتیں ہمیں غلط معلوم ہوتی ہیں ہم ان کی تشہیر بھی کریں تو یقیناً اگر وہ اس درجہ کی ہوتیں کہ ان سے دین وایمان میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہوتا تو ہم ایسا ہی کرتے لیکن ہماری نگاہ میں اب تک اس طرح کی کوئی غلطی نہیں آسکی ہے اور اس پر ہمیں مزید اطمینان اس بات سے ہوا ہے کہ ایک مرتبہ دارالعلوم کے مفتی صاحب نے کچھ اس قسم کا فتویٰ دے دیا تھا کہ اس جماعت میں داخل ہونے یا اس کی کتابیں پڑھنے سے ایمان میں خلل واقع ہوتا ہے تو خود دارالعلوم کے مہتمم مولانا طیب صاحب مدظلۂ نے دارالعلوم ہی کے رسالہ کوائف دارالعلوم ماہ صفر و ربیع الاول ۶۹ھ میں اس کی تردید فرمائی تھی اور اس خیال کو اس بات کا نتیجہ قرار دیا تھا کہ "مفتی صاحبان کے سامنے مودودی صاحب کا لٹریچر پورا نہیں آیا ہے۔" اس ضمن میں ان کا جواب (جو یقیناً ان کے مطالعہ کا نتیجہ ہے) شائع ہوا تھا۔ اس میں جہاں بعض جزئی امور سے اختلاف رائے بھی کیا گیا تھا جس کے بارے میں میری گفتگو بھی چل رہی ہے وہیں موصوف نے نہایت صفائی سے اس خیال کی تردید بھی فرمادی ہے کہ جہاں تک احقر کی رائے کا تعلق ہے، یہ صحیح نہیں ہے کہ مودودی صاحب کا لٹریچر دیکھنے سے ایمان جاتا رہتا ہے" اور ایسے ہی انھوں نے اس کی بھی تردید فرمائی ہے کہ "اس جماعت میں داخل ہونے سے ایمان جاتا رہتا ہے"۔ اس وقت تو مفتی صاحب نے بھی ان کے اس خیال کی تائید فرمائی تھی گویا انھوں نے اپنے پہلے خیال سے رجوع فرمالیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اس پر قائم نہیں ہیں اور پھر اپنے پہلے ہی خیال کی طرف رجوع فرما چکے ہیں جیسا کہ ان کے بعد کے فتووں سے واضح ہوتا ہے۔ بہرحال وہ غلطیاں اتنی بڑی نہیں ہو سکتیں کہ اگر ہم سب مل کر ان سے تبری نہ کریں تو بڑی آفت آجائے گی۔ آخر اس وقت تک خود ہمارے علماء اور مفتیوں نے بھی تو ان کو برداشت کیا ہی ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں مودودی صاحب کی غلطیاں واضح کرنے سے کہیں زیادہ اہم اور ضروری کام اور معلوم ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ افکار باطلہ اور نظریات فاسدہ جو اس وقت رائج ہو رہے ہیں اور جو براہ راست دین کے بنیادی تصورات سے ٹکرا رہے ہیں اور جن میں بدقسمتی سے خود دین کے بہت سے علمبردار بھی مبتلا ہونے جا رہے ہیں، ان کے مقابلہ کے لیے مودودی صاحب کی کتابیں اس وقت سب سے بڑا اور قیمتی ذخیرہ ہیں اور اس سلسلے میں

جماعت اسلامی کے لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہ ہر انصاف پسند کے نزدیک ایک قابل قدر چیز ہے گو وہ خود ہماری نگاہ میں کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ مولانا طیب صاحب کا اس ضمن میں اعتراف محولہ بالا جواب میں موجود ہے۔

مولانا فرماتے ہیں "اور ممدوح نے اسلامی اجتماعیات کے بارے میں نہایت مفید اور قابلِ قدر ذخیرہ فراہم کر دیا ہے۔ اس دور خلط و اخلاط اور تلبیس والتباس میں جس بے جگری سے انھوں نے اسلامی اجتماعیات کا تجزیہ اور تنقیح کر کے جماعتی مسائل کو صاف کیا ہے وہ ان ہی کا حصہ ہے۔ میں انھیں اسلامی اجتماعیات کا ایک بہترین سیاسی مفکر سمجھتا ہوں"

اسی طرح جماعت کے ایک واقف کار نے جو جماعت میں نہیں ہیں اور آپ کے حلقہ میں وہ کافی وقعت و احترام رکھتے ہیں، تبصرہ کرتے ہوئے ایک دوست کو لکھا ہے:۔

"الغرض جماعت اسلامی کی دعوت اور اس کے لٹریچر سے میرے نزدیک ان کے حلقۂ اثر میں یہ مضرتیں پھیل رہی ہیں لیکن اوپر جو منافع میں نے ذکر کیے ہیں، میرے نزدیک ان کا وزن ان مضرتوں سے زیادہ ہے۔ اس وقت دین کی روح کے خلاف جو فتنے اٹھ رہے ہیں اور جو نظریے انبیاء علیہم السلام کی دعوت سے براہ راست متصادم ہیں، وہ کمیونزم سیکولرزم اور خاص کر ہندوستان میں وحدت ادیان کے فتنے ہیں، اور ہر واقف کو اس کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ ان کے بارے میں جماعت اسلامی کے ایک متوسط درجے کے تعلیم یافتہ کا ذہن جتنا صاف ہوتا ہے ویسا ہمارے دار العلوموں کے بخاری و بیضاوی خوانوں میں سے بہت سوں کا نہیں ہے۔"

بہر حال یہ فتنے واقعی ہمارے نزدیک اس سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں کہ ہم حضرات مفتیانِ کرام کی طرح ان کو چھوڑ کر "فتنہ مودودی" کے مٹانے کے لیے کمربستہ ہو جائیں۔ یہ فتنہ کتنا ہی بڑا ہو لیکن اس کا اثر زیادہ سے زیادہ چند جزئی مسائل تک محدود رہے گا لیکن یہ فتنے تو اسلام کی بنیادیں کھوکھلی کر رہے ہیں اور اگر واقعی اس طرح کے مسائل ہی زیادہ اہمیت رکھتے ہیں تو مودودی صاحب ہی پر کیا منحصر ہے، ہر چھوٹی بڑی کتاب دوسرے کے نقطہ نظر سے قابل اعتراض اور فتنہ ہو سکتی ہے تو کیا اب ہمارا یہی کام رہ گیا ہے کہ ہم غلطیاں چھانٹتے اور ان کی تردید کرتے رہیں۔

اور پھر کچھ پڑھنے والوں پر بھی تو اعتماد کرنا چاہیئے کہ وہ غلطیاں خود معلوم کر سکتے ہیں یا کم از کم ان کے بارے میں یہ توقع رکھنی چاہیے کہ وہ ان کا مطالعہ اس نقطۂ نظر سے نہیں کریں گے کہ ان کی ہر بات قابلِ قبول ہی ہے۔ مودودی صاحب کی بہت سی خوبیوں کا میں قائل ہوں اور ان کی تحریر کی تاثیر کا بھی مجھے اعتراف ہے لیکن مجھے اب تک اس کا اندازہ نہیں ہو سکا ہے کہ ان کی تاثیر اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ جس نے ان کی کوئی کتاب اٹھائی اس پر ان کا جادو چل گیا۔ پھر ان سے اس درجہ گھبرانے کی کیا بات ہے؟ اور اگر فی الواقع ایسا ہی ہے تو میرے خیال میں اس پر غور کرنے سے زیادہ قابلِ غور بات یہ ہے کہ یہ تاثیر ان میں آئی کہاں سے؟ رہے وہ لوگ جو پیدا ہی اس لیے ہوئے ہیں کہ وہ کسی کی اندھی تقلید کریں تو ان کو آپ اس سے کہاں تک روک سکیں گے، وہ مودودی صاحب کے فتنہ میں مبتلا نہیں ہوں گے تو دوسرے پھندے ان کے منتظر ہیں۔ بس زیادہ سے زیادہ جو بات ان کے ضمن میں ممکن ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم اس طرح ان کے گرفتارِ بلا ہونے سے انھیں بچانے کی فکر کریں۔ سو جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں ہم اس سے غافل نہیں ہیں

____ باقی آں جناب کا یہ فرمانا کہ تحریک خاکسار میں جو لوگ داخل تھے وہ بھی اسی طرح کی باتیں کر رہے تھے لیکن بالآخر وہ "اپنے لیڈر کے عقائد و اخلاق اور اس کی تصانیف کی گندگیوں سے "محفوظ نہیں رہ سکے۔ جس پر کہ آں جناب نے مودودی صاحب کے کسی قول کو بطور حجت پیش فرمایا ہے جو میں دیکھ نہیں سکا ہوں، تو میں سمجھتا ہوں کہ آں جناب کی یہ بدگمانی اس امر پر مبنی ہے کہ آپ نے جماعت اسلامی کی تحریک کو قریب سے ملاحظہ نہیں فرمایا ہے۔ کہاں وہ تحریک جس کی بنیاد ہی امارت کے آمرانہ تصور پر قائم ہوئی ہو اور جس میں فوجی تنظیم کے ماسوا دین کا کوئی تصور ہی نہ دیا گیا ہو اور کہاں وہ تحریک جو کتاب و سنت پر قائم ہو اور جن کی تبلیغ و اشاعت ہی اس کا حقیقی مدعا ہو، کیا ایسی تحریک میں بھی وہی باتیں فروغ پا سکتی ہیں جو اس تحریک میں تھیں؟ اگر آپ کا خیال ایسا ہی ہو تو متعین طور سے بتایا جائے کہ دس سال کے عرصہ سے جو بہت مختصر عرصہ نہیں ہے، اس طرح کی کون کون سی باتیں ہم میں پیدا ہو سکی ہیں اور یہ تحریک اس وقت تک بحیثیت مجموعی کس طرف بڑھ رہی ہے۔

لیکن ان باتوں سے قطع نظر میں یہاں پھر یہ بات دہرانی چاہتا ہوں کہ اگر واقعی ہمارے

لٹریچر میں غلطیاں ہیں تو متعین طور سے ہمیں بتائیے کہ وہ کیا ہیں۔ انشاء اللہ ہم ان کا مناسب تدارک کرنے کے لیے تیار ہیں بلکہ بطور اظہار واقعہ کے میں اس ضمن میں آپ کو اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ اس ہنگامہ آرائی سے پہلے ہی سے ہم خود اس بات کا اہتمام کر رہے ہیں کہ ایسی باتیں جو اصل دعوت سے براہ راست متعلق نہیں ہیں بلکہ مصنف کے زور کلام کا نتیجہ ہیں یا ان میں ان کے وقتی جذبات یا اس وقت کے حالات کا اثر آ گیا ہے اور وہ بے وجہ لوگوں کے لیے ایک رکاوٹ ثابت ہو رہی ہیں اُن کو حذف کر دیں چنانچہ اب ہمارے مکتبہ سے جو کتابیں شائع ہو رہی ہیں اور متعدد بار شائع بھی ہو چکی ہیں اور وہ اسی طور پر شائع ہو رہی ہیں اور چونکہ ابھی تک رسالہ "قومیت" کے شائع کرنے کی نوبت نہیں آئی ہے اس لیے اس میں سے جو باتیں ہم حذف کرنا چاہتے ہیں مثلاً اس کا وہ حصہ جس میں آں جناب کا ذکر کچھ شخصی انداز میں ہو گیا ہے اور ہم محسوس کرتے ہیں کہ وہ قدرتی طور پر آپ کے لیے نہیں کیونکہ میں آپ کو اس سے اونچا سمجھتا ہوں تو آپ کے نیاز مندوں کے لیے جن میں میں خود اپنے کو بھی داخل سمجھتا ہوں، باعث ناگواری ہوتا ہے ابھی حذف نہیں ہو سکا ہے لیکن انشاء اللہ جلد اس کی نوبت آئے گی۔ البتہ یہ بات ہمارے لیے دشوار ہے کہ ہم لوگوں کو محض راضی کرنے کے لیے لٹریچر میں وہ رد و بدل کریں جو وہ چاہتے ہیں، دراں حالیکہ ہم ان کا پیش کرنا اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں اور اپنی استطاعت کی حد تک ان کو پیش کرنے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں، خواہ ہنگامہ کرنے والے ان پر کتنا ہی ہنگامہ کیوں نہ کریں۔

بہر حال، ہم ہر معقول مشورہ کے قبول کرنے کے لیے ہر وقت آمادہ ہیں اور یہ کام ہمارے نزدیک ہنگامہ آرائی کے بغیر ممکن ہے۔ اس لیے ہمیں یہ دیکھ کر نہایت افسوس اور قلق ہوتا ہے کہ بے وجہ لوگ اپنی قوتیں ایک عبث کام میں صرف کر رہے ہیں اور ہمیں بھی ہماری خواہش کے خلاف اس میں حصہ لینے پر مجبور کر رہے ہیں بالخصوص اس امر کا تو ہمیں کسی طرح تصور ہی نہیں تھا کہ جناب کا قیمتی وقت اس طرح کے کاموں میں صرف ہوگا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کسی وجہ سے خود آں جناب نے طے فرما لیا ہے کہ اس وقت اسلام و مسلمانوں کے تحفظ کے لیے یہی سب سے ضروری کام ہے۔ جناب کے اس فیصلہ پر دو حیثیتوں سے کافی رنج و افسوس ہے۔ ایک اس حیثیت سے کہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں آپ کی قوتیں اور صلاحیتیں اس سے زیادہ

بہتر اور مفید کام میں صرف ہوتیں تو یہ زیادہ اچھا تھا اور دوسرے اس پہلو سے کہ یہ زمانہ اس طرح کی کسی نئی کش مکش کے شروع ہونے کے لیے کسی طرح موزوں نہیں ہے۔ ہم نے اپنے طور سے حتی الوسع اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان بہت سے معاملات ومسائل کے ضمن میں جو اختلاف رائے پایا جاتا ہے وہ اپنے معقول حد سے آگے نہ بڑھنے پائے اور اس غرض کے لیے میں نے ایک طرف جمعیتہ العلماء کے خاص خاص لوگوں سے مل کر اس بیگانگی اور غیریت کو دور کرنا چاہا جو بدقسمتی سے ہمارے مابین رہی ہے، اور دوسری طرف میں اپنے رفقاء کو قریب سے قریب تر لانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن افسوس کہ قبل اس کے کہ اس کا کوئی خاص نتیجہ برآمد ہو، وہ باتیں شروع کر دی گئی ہیں جو قطعاً اس مقصد کے لیے کسی طرح مناسب نہیں ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ان کارروائیوں کے ذریعہ مسلمانوں میں ایک نئی کش مکش شروع ہو جائے گی جس کا انجام بہر حال اچھا نہیں ہوگا۔ ہم خود تو پوری قوت سے اس کش مکش سے اپنے کو علیحدہ کرنے کی کوشش کریں گے لیکن آپ یہ نہ سمجھیں کہ جماعت اسلامی صرف ان محدود افراد کا نام ہے جو بحیثیت ارکان، جماعت میں داخل ہیں اس کی دعوت بہت زیادہ مسلمانوں کے دلوں میں رسوخ حاصل کر چکی ہے۔ اس لیے ایسا سمجھنا صحیح نہیں ہوگا جیسا کہ آں جناب نے ایک صاحب کو تحریر بھی فرمایا ہے کہ یہ کوئی نوزائیدہ پودا ہے جو اِن فتووں کی تاب نہ لاکر مرجھا جائے گا۔ میرا یقین ہے کہ اس کی جتنی مخالفت ہوگی ان شاءاللہ یہ اتنا ہی زیادہ پھلے پھولے گا۔ فتووں کے اثر کا زمانہ خود حضراتِ مفتیان کرام کے اپنے صرف بےجا اور استعمالِ بےجا کی وجہ سے پہلے ہی ختم ہو چکا ہے جس کا اندازہ آنجناب کو بھی گذشتہ ۸ - ۱۰ سال کی سیاسی کش مکش میں اچھی طرح ہو چکا ہے لیکن اب تو حالات اس سے بھی مختلف ہیں۔ یہ براہ راست اس تحریک کا مقابلہ ہے جو کُل دین کو لیکر اُٹھی ہے اور ہر کام کتاب وسنت کی بنیاد پر کرنا چاہتی ہے اور ہماری معلومات کی حد تک وہ اس سے کہیں دانستہ متجاوز نہیں ہوتی ہے اس لیے اس کو ان فتووں سے روکا نہیں جا سکتا۔ زیادہ سے زیادہ جو بات ہو سکتی ہے وہ یہ ہے اور یقیناً عوام اور حکومت میں ہمارے بااثر مخالفین کو جو مقام حاصل ہے اس کے لحاظ سے ان کے لیے یہ کوئی دشوار بات نہیں ہے کہ غلط فہمیاں پھیلا کر وہ ہمیں مشکلات میں مبتلا کر دیں یا یہ بھی

ہوسکتا ہے کہ وہ حکومت کو ہم سے بدظن کرکے ہماری مخالفت پر آمادہ کر دیں جس کی ابتدا ابھی غالباً کردی گئی ہے جیسا کہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی اس تقریر سے ظاہر ہے جو ۱۰ ؍مئی کو انہوں نے جامع مسجد دہلی میں کی ہے اور جس میں انہوں نے نہایت غلط انداز میں ہمارے مقصد کی توضیح کی ہے۔ (ملاحظہ ہو الجمعیۃ مورخہ ۱۲ ؍مئی) لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا جماعت اسلامی چند افراد کا نام نہیں ہے وہ کتاب وسنت کی دعوت ہے جو لاکھوں نفوس میں مضبوطی کے ساتھ گھر کیے ہوئے ہے۔ ہم کو مٹا دینا بہت آسان ہے لیکن اس دعوت کو ان سب کے دلوں سے مٹا دینا دشوار ہے۔ اس کی جتنی زیادہ مخالفت ہوگی انشاء اللہ اتنی ہی زیادہ یہ پھیلے گی، اور اس وقت تک جو گولہ بارود اس کی مخالفت کے لیے فراہم کیا گیا ہے وہ تو قطعیت کے ساتھ اس کے لیے مفید ہے کیونکہ جو لوگ ابھی تک محض اس لیے تذبذب میں مبتلا تھے کہ علماء اس کے مخالف ہیں اب وہ ان کی مخالفت کے وجوہ دیکھ کر آسانی سے اندازہ کرسکیں گے کہ ان کی مخالفت میں کتنی جان ہے۔

میرا جی چاہتا تھا کہ آپ نے ہمارے خلاف جو دفعہ وار ۱۹ الزامات عاید کیے ہیں اُن میں سے ہر ایک کے بارے میں یہ واضح کرتا کہ وہ کہاں تک واقعیت پر مبنی ہیں اور ان امور کے بارے میں ہمارا یا محترم مولانا مودودی صاحب کا صحیح مسلک کیا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ شاید اب اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس لیے میں اس موقع پر اس کو نظر انداز کرنا مناسب سمجھتا ہوں البتہ میں اس کے لیے تیار ہوں کہ جب بھی آپ سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور کرنے کے لیے آمادہ ہوں تو اس موقع پر میں اس فرض کو انجام دوں۔ البتہ اس موقع پر اتنا ضرور عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم کتاب وسنت پر ایمان رکھتے ہیں، ہمارے عقائد و خیالات وہی ہیں جو قرآن وسنت سے ثابت ہیں اور جو عام اہلِ سنت کے ہیں۔

اور یہ کہ آپ نے جو طویل فہرست الزامات کی روانہ فرمائی ہے وہ یا تو اتہام محض ہیں یا ہماری باتوں کو ان میں بگاڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ اس لیے ان کی بنا پر ہماری گمراہی کا فیصلہ کرنے میں احتیاط ضرور فرمائیے۔ اس مرحلہ پر اس سے زیادہ کچھ کہنے کی میں ضرورت نہیں سمجھتا۔

یہ آخری سطریں زیر تحریر تھیں کہ مجھے معلوم ہوا کہ دارالعلوم دیوبند کی طرف سے وہ فتویٰ بھی شائع کر دیا گیا ہے جس کو تا اختتامِ گفتگو میں نے روکنے کی خواہش کی تھی۔ معلوم نہیں یہ کہاں تک

صحیح ہے۔ بہرحال وہ شائع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو لیکن چونکہ دارالعلوم کی طرف سے اس سے پہلے متعدد فتوے شائع ہو چکے ہیں اور اس کے ساتھ مظاہر علوم وغیرہ کی طرف سے بھی، اس لیے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ حقیقت حال کی توضیح کے لیے میں اپنا یہ خط شائع کر دوں۔ اس کے ساتھ میری خواہش یہ بھی ہے کہ خود آں جناب کا مکتوب گرامی بھی اس خط کے ساتھ شائع ہو جائے تاکہ آپ کی مخالفت کے وجوہ بھی ٹھیک ٹھیک لوگوں کے سامنے آجائیں۔ اس لیے گو دستور عام کے بموجب مجھے اس کے شائع کرنے کی باقاعدہ اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اخلاقی طور پر اجازت حاصل کر لینا مناسب معلوم ہوتا ہے امید ہے آں جناب اجازت مرحمت فرمائیں گے۔ میں چند روز انتظار کروں گا۔

میں آخر میں باادب درخواست کرتا ہوں کہ آپ کا احترام اور عزت میرے دل میں کماحقہٗ ہمیشہ کی طرح اب بھی موجود ہے اور میں نے حتی الوسع اس خط میں بھی اس کو پوری طرح ملحوظ رکھنے کی کوشش کی ہے لیکن اگر بہ تقاضائے بشریت اس میں کوئی کوتاہی سرزد ہو گئی ہو تو امید ہے کہ آپ اپنے معروف عفو و حلم کی بنا پر اسے معاف فرمادیں گے۔ میں آپ سے اپنے لیے دعا کا طالب ہوں اور خود آپ کے لیے بھی دعا کرتا ہوں۔

اس خط کے مکمل ہو جانے کے بعد آں جناب کا ایک "بصیرت افروز" بیان دیکھنے کا شرف حاصل ہوا جو حالیہ فتووں کے خاص مرکز یعنی سہارنپور سے شائع ہوا ہے۔ اس بیان میں جو ۱۳ر ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ کا تحریر کردہ ہے اور اب بہ تقاضائے ضرورت شائع کیا گیا ہے جو الفاظ مثلاً "ٹٹ پونجئے"، اکم بخت، خبیث اور مخالف اہل اسلام اور مخالف اہل سنت وغیرہ استعمال کیے گئے ہیں ہم اپنے کو ان کا مورد تو نہیں سمجھتے کیوں کہ ہم ان باتوں سے بری سمجھتے ہیں جن کی بنا پر یہ شائستہ الفاظ ارشا فرمائے گئے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ الفاظ لکھتے وقت جناب والا نے ہم خادمانِ جماعت ہی کو مراد لیا ہے۔ اس لیے ہم اپنے اور آپ دونوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے عفو و مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

والسلام

ابواللیث

قیم جماعت کا خط بنام مولانا مدنی مدظلہٗ

رام پور - ۲۴؍ شعبان ۷۰ھ

محترم المقام - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کل آں جناب کی خدمت اقدس میں بذریعہ بک پوسٹ مولانا ابواللیث صاحب ندوی اصلاحی کا وہ خطبہ ارسال کیا گیا ہے جو موصوف نے کل ہند اجتماع کے موقع پر رام پور میں بشکل مقالہ پیش کیا تھا۔ امید ہے آپ کو وصول ہوا ہوگا۔

نیز امیر جماعت مولانا ابواللیث صاحب نے ایک رجسٹرڈ خط بتاریخ ۱۱؍ مئی ۱۹۵۱ء خدمتِ والا میں روانہ کیا تھا۔ ہمیں اس کی اکنالجمنٹ رسید ابھی ڈاک خانہ سے نہیں ملی ہے۔ لیکن امید ہے کہ وہ خط بھی آں جناب کو مل گیا ہوگا۔ اس میں آں جناب کے مکتوب گرامی مورخہ ۲؍ شعبان ۷۰ھ کے اشاعت کی اجازت چاہی گئی تھی۔ ہمیں جناب والا کے اجازت نامہ کا انتظار ہے[1]۔ غالباً آں جناب کو امیر جماعت کے مکتوب کے شائع کیے جانے پر بھی کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

---

[1] مولانا نے اپنے مکتوب مورخہ ۵؍ رمضان کے ذریعہ اپنے سابقہ مکتوب کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمادی ہے اور معلوم ہوا ہے کہ مولانا کا یہ خط مولانا اعزاز علی صاحب کی طرف سے پہلے ہی شائع کر دیا گیا ہے۔ جس کا ہم کو مطلق ملال نہیں ہے، کیونکہ اس خط کو ہم خود ہی شائع کر رہے ہیں۔ البتہ اس بات کا ہمیں ضرور شکوہ ہے کہ اس خط کے ساتھ خاکسار کا عریضہ شائع نہیں کیا گیا۔

مولانا مدنی سے خط و کتابت کا تتمہ

مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ، نے میرے مفصل عریضہ (جو گزشتہ زندگی میں شائع ہو چکا ہے) کے جواب میں جو مکتوب گرامی تحریر فرمایا تھا اس کا ذکر پچھلے ماہ کے اشارات میں آچکا ہے، اس وقت چونکہ مراسلت کا سلسلہ جاری تھا اس لیے اس خط کا شائع کرنا مناسب خیال نہیں کیا گیا تھا، لیکن ایک طرف وہ تاریخیں بھی گزر گئیں جن کو مولانا نے ملاقات کے لیے تجویز فرمایا تھا اور باوجود یاد دہانی کے اب تک اس سلسلے میں مولانا نے کچھ تحریر نہیں فرمایا ہے جس کا بظاہر مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ مولانا نے غالبًا اجتماع و ملاقات کا ارادہ ترک فرما دیا ہے اور دوسری طرف الجمعیۃ مورخہ ۱۴ اگست میں مولانا اور بعض دوسرے علمار جمعیۃ کی طرف سے ایک بیان شائع ہوا ہے جس میں جماعت اسلامی کے خلاف تقریبًا اسی طرح کے خیالات دہرائے گئے ہیں جو اس سے پہلے فتووں میں ظاہر کیے جا چکے ہیں، اور اس سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ ان حضرات نے اب قطعی طور پر ایک رائے قائم کر لی ہے جس کے بعد بظاہر ان کے نزدیک گفتگو اور ملاقات کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس دوران میں میرے اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے درمیان جو مزید خط و کتابت ہوئی تھی وہ بھی شائع کر دی جائے تاکہ جو لوگ اس مسئلہ سے دلچسپی رکھتے ہیں یا جنہوں نے پچھلی خط و کتابت کا مطالعہ کیا ہے وہ اس کے انجام سے بھی آگاہ ہو سکیں۔

خط و کتابت پڑھنے سے پہلے مذکورہ بالا بیان پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔

"مودودی تحریک اور جماعت اسلامی کی موجودہ حیثیت" علمار کرام کی طرف سے لاتعلق

کا اظہار" کے دو عنوانات کے تحت لکھا گیا ہے:۔

"تحریک مودودی اور اسلامی جماعت کے سلسلے میں کچھ دنوں سے فتاوی کا سلسلہ جاری ہے، متعدد اداروں کی طرف سے بیانات بھی جاری ہو چکے ہیں۔ اس کے متعلق غور و بحث کے لیے علماءِ کرام کا آج ایک اجتماع ۲۷ شوال ۷۰ھ مطابق یکم اگست ۱۹۵۱ء کو دفتر جمعیۃ علماء ہند دہلی میں ہوا۔ اس اجتماع میں شرکت فرمانے والے حضرات نے ایک متفقہ بیان بغرض اشاعت دیا ہے، جس پر ان سب حضرات کے دستخط ہیں۔ بیان کے الفاظ یہ ہیں:۔

"مودودی صاحب کی جماعت اور جماعت اسلامی کے لٹریچر سے عام لوگوں پر جو اثرات مرتب ہوئے ہیں کہ ائمہ ہدایت کے اتباع سے آزادی اور بے تعلقی پیدا ہو جاتی ہے جو عوام کے لیے مہلک اور گمراہی کا باعث ہے اور دین سے صحیح وابستگی قائم رکھنے کے لیے صحابہ کرام اور اسلاف عظام سے جو تعلق رہنا چاہیے اس میں کمی آجاتی ہے۔ نیز مودودی صاحب کی بہت سی تحقیقات جو غلط ہیں لوگ ان سے متأثر ہو کر مبتلا ہو جاتے ہیں اور پھر ان امور سے ایک جدید فقہ بلکہ دین ہی کی ایک محدث اور نئے رنگ کی بنیاد پڑ جاتی ہے جو یقیناً مسلمانوں کے دین کے لیے مُضر ہے۔ اس لیے ہم ان امور اور ان پر مشتمل تحریک کو غلط اور مسلمانوں کے لیے مضر سمجھتے ہیں اور اس سے بے تعلقی کا اظہار کرتے ہیں۔"

<u>دستخط</u> حضرات شرکاءِ اجتماع:۔ (مولانا مفتی) محمد کفایت اللہ، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا قاری محمد طیب، مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ مولانا عبداللطیف (مہتمم مظاہر العلوم سہارنپور) مولانا محمد زکریا کاندھلوی (شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور) مولانا احمد سعید۔ مولانا سید احمد (مفتی مظاہر العلوم سہارنپور) مولانا محمد اعزاز علی امروہوی (شیخ الادب دارالعلوم دیوبند) مولانا سید فخر الحسن (استاذ دارالعلوم دیوبند)، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی۔ مولانا محمد میاں۔

اس بیان پر ہم یہاں کسی تبصرے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ جماعت اسلامی کے خلاف جو الزامات عائد کیے گئے ہیں، ان کا تفصیلی جواب زندگی میں ہم شائع کر چکے ہیں۔ اور اگر

اس کے بعد بھی کوئی بات ان حضرات کے نزدیک باقی رہ جاتی ہے تو جیسا کہ اس خط و کتابت سے اندازہ کیا جا سکتا ہے، اس پر غور کرنے اور ہم پر ہماری کوئی غلطی واضح کردی جائے تو اس کی اصلاح کے لیے ہم ہر وقت آمادہ ہیں۔ لیکن ظاہر ہے اس کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں ہے کہ اپنے طور سے محض بدگمانی کی بنا پر ایک رائے قائم کرلی گئی ہے اور اس کے سلسلے میں اقتباسات پر تکیہ کرنے کے سوا نہ پہلے کسی تحقیق کی ضرورت سمجھی گئی ہے اور نہ اب عرض و معروض سننے کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے اور یہ بھی کتنی عجیب بات ہے کہ جو تاریخیں ملاقات و گفتگو کے لیے متعین فرمادی گئی تھیں ان ہی تاریخوں میں اس طرح کا بیان، ملاقات سے پہلے یا اس کے بغیر شائع کردیا گیا ہے۔ خدا جانے یہ حضرات کیا چاہتے ہیں اور ان کے اندر اپنی ذمہ داریوں کا کچھ احساس ہے بھی یا نہیں۔؟

"ابواللیث"

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب کا مکتوب گرامی

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ،۔ مزاج شریف۔

جناب کا طویل اور مفصل والانامہ اوائل شعبان میں باعث سرافرازی ہوا تھا۔ مگر وہ زمانہ اس قدر عدیم الفرصتی کا تھا کہ اس کا سرسری طور پر پڑھنا بھی کئی دن میں ہو سکا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں باوجود خواہش طبعی جناب کو رسید سے بھی مطلع نہ کر سکا، حالانکہ اس کے مطالبہ میں ایک کارڈ بھی آپ کے دفتر سے موصول ہوا تھا۔۔۔ محترما! میری مصروفیتیں ضعیف العمری، بیماریاں، طبعی کاہلی وغیرہ ایسے اسباب مجتمع ہو گئے ہیں (اور بالخصوص رجب، شعبان، رمضان میں) جن کے ہوتے ہوئے میں نہایت اشد ضروری اعمال میں بھی سخت ناکارہ ثابت ہوتا ہوں اور یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ ۲۵ شعبان سے دار العلوم میں تعطیل ہو جاتی ہے، میں ۳۰ شعبان کی شب میں مستفید ہو سکا۔ اس لیے معافی کا خواستگار ہوں۔ والانامہ کے بڑے حصے سے میں اپنی مایوسیوں کو دور نہ کر سکا۔ البتہ آخری حصہ سے کچھ امیدیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس لیے اگر ممکن ہو تو اواخر شوال یا ذیقعدہ میں دہلی دفتر جمعیۃ میں کوئی خصوصی اجتماع کی صورت ہو سکے تو شاید بہتر ہو۔ عریضہ سابقہ جو میں نے پیش کیا تھا اس کے متعلق جناب کو اختیار ہے، شائع کرا دیں۔ مجھ کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ،۔

وارد حال قصبہ ٹانڈہ۔ ضلع فیض آباد

۵ رمضان المبارک ۷۰ھ

جواب

رامپور - ۱۱ رمضان المبارک ۸۸ھ

مخدومی! السلام علیکم۔ گرامی نامہ مورخہ ۵ رمضان المبارک کل ۱۰ رمضان کو موصول ہوا۔ یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ آں جناب اس مسئلہ پر خصوصی ملاقات وگفتگو کی ضرورت محسوس فرمارہے ہیں۔ اس کے بارے میں میری رائے اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایسا ضرور ہونا چاہیے۔ میں تو اوّل دن سے اس کا خواہشمند ہوں اور گزشتہ چند دنوں میں جو کچھ ہوا ہے اس کے پیشِ نظر میرا یہ احساس اب اور زیادہ بڑھ گیا ہے کہ اگر آں جناب نے پہلے ہی اس پر آمادگی ظاہر فرمائی ہوتی تو یہ ہمارے اور آپ دونوں کے لیے اور ساتھ ہی عام مسلمانوں کے لیے بہت زیادہ بہتر ہوا ہوتا۔ بہر حال اب بھی کچھ زیادہ نقصان نہیں ہوا ہے اس لیے اس کی راہ آپ پیدا کرسکیں تو یہ بہت اچھی بات ہوگی۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ اس ملاقات کو کس مجبوری یا مصلحت کی بنا پر آپ اتنا موخر فرمانا چاہتے ہیں۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ اگر اواخر شوال یا اوائلِ ذو قعدہ کی بجائے اوائل شوال ہی میں اس کی صورت نکل سکے تو بہتر ہوگا۔ الّا یہ کہ کوئی بڑی مجبوری درپیش ہو۔ زیادہ تاخیر کا ایک کھلا ہوا نقصان یہ ہے کہ جماعت کے خلاف اب تک جو کچھ کہا یا لکھا جا چکا ہے اسے اس دوران میں ہمارے مخالفین زیادہ وسعت کے ساتھ پھیلا دیں گے جس سے بہر حال جماعت کے خلاف بدگمانیاں بڑھیں گی اور پھر ہمیں یا ہمارے موافقین کو اس کے تدارک کے لیے کچھ نہ کچھ عرض ہی کرنا پڑے گا۔ اور اس طرح جو باتیں نہیں ہونی چاہئیں وہ اس دوران میں ہوتی رہیں گی۔ اور ہو سکتا ہے کہ

اس سلسلے کی کچھ باتیں خدانخواستہ ہماری اور آں جناب کی گفتگو پر بھی اثرانداز ہو جائیں۔ ہاں، اگر یہ ممکن ہو کہ کم ازکم ملاقات کے وقت تک کے لیے مخالفت کا سلسلہ رک جائے اور اب تک اس سلسلہ میں جو کچھ کہا جا چکا ہے اس کے متعلق یہ واضح کردیا جائے کہ لوگ اس کے بارے میں ابھی کوئی آخری رائے قائم کرنے میں جلدی نہ کریں کیونکہ معاملہ زیرِ تحقیق ہے تو ناخیر میں میرے نزدیک بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ براہ عنایت اس مسئلہ پر دوبارہ غور فرمالیں اور اس کے بعد جو رائے عالی ہو اس سے مجھے مطلع فرمادیں۔ میں ہر صورت میں آں جناب کے فیصلے کی پابندی کروں گا۔ بظاہر مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ آں جناب نے ملاقات کے لیے اواخرِ شوال یا اوائلِ ذوقعدہ کو اس لیے منتخب فرمایا ہے کہ اس وقت تک دارالعلوم کھل جائے گا اور آں جناب کو دہلی پہنچنے میں آسانی ہوگی۔ لیکن اگر دہلی میں اجتماع رکھنے میں کوئی خاص مصلحت نہ ہو تو یہ بھی ممکن ہے اور میں اس کے لیے بالکل آمادہ ہوں کہ میں رمضان بعد فوراً ہی آں جناب کے پاس ٹانڈہ میں حاضرِ خدمت ہو جاؤں۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو یہ بھی ممکن ہے کہ آں جناب دیوبند تشریف لے جاتے وقت ایک آدھ روز کے لیے یہاں نزول فرما ہوں۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب یا کسی اور صاحب کو آپ بلانا چاہیں تو وہ بھی بآسانی یہاں آسکتے ہیں۔ بہرحال اس بارے میں بھی آپ غور فرمالیں آپ جو جگہ پسند فرمائیں گے میں وہاں حاضر ہونے کے لیے تیار ہوں۔ میری خواہش محض اتنی ہے کہ اگر ملاقات ہونی ہے تو یہ جس قدر جلد ہو سکے اتنا ہی اچھا ہے۔ اور مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں یقیناً زیادہ جلدی ہو سکتی ہے۔

ملاقات کے ضمن میں دو باتیں خاص طور سے دریافت طلب ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ اس میں موضوع بحث کیا باتیں ہوں گی، تاکہ میں پہلے سے ان پر غور کرلوں۔ اس طرح وقت کم خرچ ہوگا اور ملاقات کا کوئی مفید نتیجہ برآمد ہو سکے گا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اس ملاقات میں میرے اور آپ کے درمیان بات چیت ہوگی یا اس میں کچھ اور لوگ بھی شریک ہوں گے اور وہ کون لوگ ہو سکتے ہیں

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ میں جواب کا منتظر ہوں۔

والسلام　　　　ابواللیث

مکتوب مولانا مدنی مدظلّہ

محترم المقام زید مجدکم۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج شریف
والانامہ مورخہ ۱۱ر رمضان المبارک باعث سرافرازی ہوا۔ چونکہ میں رمضان شریف میں یہاں پر گرمی کی شدت، روزہ کی مشقت، قرآن کی یادکردگی، مہمانوں کی آمدوغیرہ کی وجہ سے اس قدر مصروف ہوں کہ کسی سے بات کرنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی اور نہ مہلت ملتی ہے۔ ابتدائی شوال میں یہاں کے قرب وجوار میں جانا ہے، پہلے سے وعدہ کرچکا ہوں۔ نصف شوال تک دیوبند کی تعطیل ختم ہوجائے گی، وہاں پہنچنا ہوگا۔ چونکہ میرے ساتھ متعلقین ہوں گے، اسلیے راستہ میں اترنا بھی ممکن نہیں ہے۔ اواخر شوال یا ابتدائی ذیقعدہ میں حسب رائے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کوئی تاریخ مقرر ہونی چاہیئے۔ آں جناب اُن سے تاریخ مقرر فرمالیں۔ دہلی میں شرکت حسب ذیل حضرات کی ہوگی۔ مفتی کفایت اللہ صاحب۔ مولانا احمد سعید صاحب، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، مفتی مہدی حسن صاحب، ناکارہ حسین احمد اور اگر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کسی دوسرے کو بھی ضروری سمجھیں تو وہ بلالیں۔ آپ کی طرف سے آپ جس کو مناسب سمجھیں۔ عام اجتماع نہ ہوگا، گفتگو خصوصی جلسہ میں ہوگی جس کو بند اجلاس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ آپ موضوعِ بحث دریافت فرماتے ہیں وہ یہ ہونے چاہئیں۔

(۱) مودودی صاحب کی تحریرات میں خلاف مسلک اہل سنت والجماعۃ کوئی چیز ہے یا نہیں۔
(۲) " " " " خلاف تقلید شخصی
(۳) " " " " خلاف تقلید ائمہ اربعہ رحمہم اللہ
(۴) " " " " خلاف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

(۵) مودودی صاحب کی تحریرات میں خلاف طریقت وتصوف کوئی چیز ہے یا نہیں۔
(٦) " " " " " تفسیر بالرائے " " "

نوٹ:۔ زمانہ اور آپ کی جماعت کی رفتار نے ہم کو اس امر سے مایوس کر دیا تھا کہ اجتماع سے کوئی فائدہ ہو سکتا ہے مگر مولانا منظور صاحب سنبھلی شعبان میں دیوبند تشریف لائے تو انھوں نے بموجودگی مولانا حفظ الرحمٰن صاحب زور دیا کہ کوئی خصوصی اجتماع ہو کر آپس میں مخلصانہ غور و فکر ہو جانی ضروری اور مفید ہے۔ نیز آپ کی مطول تحریر کے آخری کلمات نے بھی ڈھارس دلائی۔ اس لیے یہ مذکورہ بالا صورت قرار دی گئی۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ ٹانڈہ۔ ضلع فیض آباد۔ ۷ رمضان ۱۳۷۰ھ

جوابْ

مخدومی! السلام علیکم

گرامی نامہ مورخہ ۱۱ر رمضان المبارک موصول ہوا۔ اگر یہ مجبوریاں درپیش ہیں تو بہتر ہے مجوزہ اجتماع حسب تجویز سابق اواخر شوال یا اوائل ذوقعدہ میں ہی ہو۔ جناب کی مجبوریوں کا علم ہونے کے بعد مجھے اس میں کوئی عذر نہیں ہے۔ رہا اس تاخیر کے نقصان کا وہ پہلو جس کا میں نے اپنے پچھلے خط میں تذکرہ کیا تھا تو میری اب بھی خواہش یہی ہے کہ اگر اس کے تدارک کا کوئی مناسب بندوبست ہو سکتا تو بہتر تھا۔ لیکن اگر کسی وجہ سے وہ پہلو آپ کی نگاہ میں کوئی وزن نہیں رکھتا ہے تو میں اس کے لیے بھی اصرار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا۔ بہتر ہے حالات کو ان کی رفتار پر چلنے دیا جائے۔ ممکن ہے اس میں ہی کوئی خیر کا پہلو نکل آئے۔ آں جناب کے مکتوب گرامی سے مجوزہ اجتماع کے عنوانات بحث کا علم ہوا۔ میں چونکہ آں جناب سے شرفِ نیاز حاصل کرنے کی دیرینہ خواہش رکھتا ہوں، اس لیے ملاقات کی جو تقریب بھی پیدا ہو سکے، میں اسے خوش آمدید کہنے کے لیے تیار ہوں۔ اس بنا پر اگر آپ چاہتے ہیں تو مذکورہ عنوانات پر بھی گفتگو ہو سکتی ہے۔ لیکن میں یہ ظاہر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ میرے خیال میں ہماری ملاقات و گفتگو کے اہم اور ضروری مسائل دوسرے ہیں۔ خود جماعت کے ضمن میں میرے نزدیک ان مسائل سے زیادہ اہمیت اس بات کو حاصل ہے کہ جماعت جو دعوت بنیادی طور سے پیش کرتی ہے وہ آپ حضرات کے نزدیک کہاں تک قابل قبول ہے۔ کیونکہ اس ایک مسئلہ کے حل نہ ہونے کی بنا پر ہم میں اور آپ میں ایک زبردست بون بعید پایا جاتا ہے، جو بدقسمتی سے گوناگوں خرابیوں کا باعث ہے اور جس کا خاص طور سے اس زمانہ میں باقی رہنا، اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے لیے انتہائی تباہ کن ہے بلکہ میرا احساس تو یہ ہے کہ آں جناب کی جماعت اسلامی کے

خلاف موجودہ بدگمانیاں بھی درحقیقت اسی کا نتیجہ ہیں کہ آں جناب کو ہماری اصل دعوت سے براہ راست واقفیت حاصل نہ ہو سکی ہے۔ اس لیے میری اولین خواہش یہ ہے کہ آیندہ اجتماع میں سب سے پہلے تحریک اسلامی کی بنیادی باتوں کو موضوع بحث بنایا جائے جس کے ضمن میں مذکورہ باتوں کے بارے میں بھی آپ سے آپ ہمارا نقطہ نظر کھل کر سامنے آجائے گا۔ لیکن اگر کسی وجہ سے آں جناب اس موضوع پر گفتگو کرنے کے لیے تیار نہ ہوں اور وہی مسائل آپ کے نزدیک مدار بحث ہو سکتے ہیں جن کا ذکر والا نامہ میں آں جناب نے فرمایا ہے تو میری سب سے پہلی گزارش یہ ہے کہ "زندگی" کے تازہ پرچے میں جس کی ایک کاپی کل ارسالِ خدمت کی جا چکی ہے، تصریحات کے عنوان سے میں نے ان میں سے اکثر مسائل کے بارے میں اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کر دی ہے۔ براہ عنایت اسے مطالعہ فرمالیں اور پھر اس کے بعد مطلع فرمائیں کہ عنوانات مذکورہ پر گفتگو کی ضرورت اب بھی باقی ہے؟ اور اگر ہے تو کن مسائل پر اور کن پہلوؤں سے؟۔

ہمارے نقطۂ نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ امور مذکور میں سے ۱ و ۶ سے تو ہمیں براہ راست تعلق ہو سکتا ہے کیونکہ ہم تفسیر بالرائے کو بھی غلط سمجھتے ہیں اور محققین اہلسنّت کے مسلک سے خروج کو بھی، اس لیے اگر ان کے خلاف ہمارے لٹریچر میں کوئی بات پائی جاتی ہے تو وہ یقیناً قابلِ اصلاح ہے اور اس کے لیے ہم ہمیشہ سے آمادہ ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ جو دیگر مسائل ہیں ان سے ہماری جماعت کو براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ جماعت اس طرح کے امور کے تصفیہ کے لیے قائم نہیں ہوئی ہے۔ اور اس میں ہر اس شخص کے لیے گنجائش ہے جو کتاب وسنت کو مرکز حق تسلیم کر کے دین کی خدمت کے لیے آمادہ ہو خواہ وہ کسی امام کا مقلد ہو یا اہل حدیث ہو اور مروجہ تصوف کو مانتا ہو یا نہ مانتا ہو۔ اس ضمن میں، میں یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ جن دو امور مذکورہ بالا کو ہم قابل بحث سمجھتے ہیں ان کے سلسلے میں بھی ہمارے نزدیک زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ حضرات علماء کرام ہم سے گفتگو اور مباحثہ کرنے کی بجائے لٹریچر سے از خود ان مقامات کو متعین کر لیں جن پر ان کو اعتراض ہے اور خاص اس کام کے لیے کسی اجتماع کی بھی ضرورت نہیں ہے ایک دو آدمی جن کو آپ متعین

فرمادیں اس کام کو وہ اپنے طور سے کر سکتے ہیں اور جب یہ کام ہو جائے تو زیادہ بہتر یہ ہے کہ خود مصنف کو براہِ راست قابل اعتراض باتوں سے مطلع کر دیا جائے۔ ان کا اعلان بھی ہے اور ہم ان کی ذات سے توقع بھی رکھتے ہیں کہ وہ یا تو ان کو صحیح سمجھ کر آئندہ اصلاح کر لیں گے یا ان کے سلسلے میں آپ حضرات کو مطمئن کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن اگر ایسا کرنے میں کوئی امر مانع ہو تو اس کام کے لیے ہماری خدمات بھی حاضر ہیں اور میں اپنی حد تک یقین دلاتا ہوں کہ ہر چند مودودی صاحب کی تمام کتابوں کے نہ ہم پوری طرح پابند ہیں اور نہ ہر طرح ذمہ دار۔ لیکن اگر ہمیں یہ اطمینان ہو جائے کہ ان میں کوئی بات خلاف کتاب و سنت ہے تو ہم حتی الوسع اس کو رفع کرنے یا اس سے اپنی حد تک بے تعلقی کا اظہار کرنے میں دریغ نہیں کریں گے۔ والسلام

ابواللیث

۲۴ رمضان

مولانا مدنی کے نام قیم جماعت کا خط

مرکز جماعت اسلامی ہند

۱۰ شوال ۷۰ھ

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بتاریخ ۲۴ رمضان ۷۰ھ مولانا ابواللیث صاحب نے ایک خط آں جناب کی خدمت میں ارسال کیا تھا۔ لیکن ہنوز اس کے جواب کا انتظار ہے۔ خط چونکہ معمولی ڈاک سے روانہ کیا تھا اس لیے اندیشہ ہے کہ شاید نہ پہنچا ہو۔ اگر ایسا ہو تو مطلع فرمائیں تاکہ اس کی نقل روانہ کی جائے۔ بصورت دیگر براہِ کرم جواب سے سرفراز فرمائیں۔ والسلام

"قیم"

جواب

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

والا نامہ مولانا ابواللیث صاحب کا پہنچ گیا ہے۔ حسب الحکم اطلاعاً عرض ہے۔

والسلام

مولانا حسین احمد بقلم....

ازٹانڈہ ۱۲ ۱۰ھ

تصریحات

مولانا مدنی مدظلہٗ نے اپنے مکتوبِ گرامی میں جماعتِ اسلامی کے خلاف جو الزامات عائد فرمائے ہیں مولانا کے نام خط میں ان سے تعرض کرنا تو مناسب نہیں معلوم ہوتا تھا، کیونکہ وہ اس وقت ہماری بدقسمتی سے ہمارے بارے میں کچھ شدید بدگمانیوں میں مبتلا ہیں، اس لئے اس ضمن میں ہماری معروضات ان کے لئے قابلِ توجہ نہیں بن سکتیں۔ لیکن جو لوگ نیک نیتی کے ساتھ سمجھنا چاہتے ہیں کہ ان الزامات کی حقیقت کیا ہے، ان کے پیشِ نظر میں کچھ باتیں محض اس خیال سے لکھ دینی چاہتا ہوں کہ ان سے الزامات کی نوعیت کسی درجہ میں واضح ہو جائے۔ رہی ان کے متعلق تفصیلی اور تحقیقی بحث تو اگر اس کی ضرورت پیش آئی تو انشاء اللہ ہم اس سلسلے میں اپنی معروضات آئندہ تفصیل سے پیش کریں گے جن سے یہ اچھی طرح اندازہ ہو سکے گا کہ ان الزامات میں جو مباحث چھیڑے گئے ہیں ان کے بارے میں صحیح دینی نقطۂ نظر کیا ہے اور ہم جو کچھ کہتے اور کرتے ہیں وہ کس طرح اس کے عین مطابق ہے۔

مولانا کے اعتراضات کو اگر سمیٹ کر بیان کیا جائے تو وہ غالبًا تین چار دفعات کے تحت آسانی سے آ سکیں گے، لیکن جب مولانا نے کسی وجہ سے ان کو ۱۹ دفعات کے تحت پھیلایا ہے تو ہمیں مجبورًا ان دفعات اور ان کی ترتیب ہی کی پابندی کرنی ہوگی۔ اس لئے میں دفعہ وار اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کروں گا۔

مولانا نے بہت سے قدیم و جدید فرقِ باطلہ کا نام لے کر ارشاد فرمایا ہے کہ ان کی طرح تحریکِ اسلامی بھی "ایک نیا اسلام بنانا چاہتی ہے"، اور وہ "ان اصول و عقائد و اعمال پر مشتمل ہے جو کہ اہلِ سنّت والجماعت اور اسلافِ کرام کے خلاف ہیں" اور اس کے ثبوت میں انھوں نے سب سے

ے مورخہ ۲ر شعبان ۱۳۷۰ھ

پہلی بات دفعہ اول کے تحت یہ ارشاد فرمائی ہے کہ:۔

"وہ قرآن شریف کی تفسیر بالرائے کی قائل ہے۔"

مولانا کے اس ارشاد کے اگر ظاہری عام معنی لئے جائیں تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ یا تو جماعتِ اسلامی کے لوگ اتنے جاہل ہیں کہ ان کو مولانا کی پیش کردہ من فسر القرآن برایہ ۔۔۔ (او کما قال) جیسی مشہور حدیث کی بھی جو ہر چھوٹی بڑی کتاب میں مذکور ہے، کچھ خبر نہیں ہے اور نہ وہ ایمان بالقرآن اور ایمان بالرسالت کی اس کھلی ہوئی حقیقت ہی سے واقف ہیں کہ اس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ آدمی اپنی رائے اور عقل کو وحی و کتاب اور ارشادِ نبوی کے تابع کر دے یا پھر وہ سرے سے ایمان بالرسالت کے قائل ہی نہیں ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں کہ تفسیر بالرائے موجبِ کفر ہے اور ہم لوگ آپ کے اس ارشاد کو پسِ پشت ڈال کر اسے جائز قرار دیں۔ معلوم نہیں کہ مولانا کے پیشِ نظر ان میں سے کون سی صورت ہے۔ اگر پہلی بات ہے تو بھی کچھ کم سخت بات نہیں ہے کہ اپنے سوا سب کو جاہل سمجھا جائے دراں حالیکہ دوسروں کے علم کے بھی ایسے شواہد موجود ہیں جن کو آسانی کے ساتھ کوئی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اور اگر دوسری بات مراد ہے تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس کا مطلب ہمیں کافر قرار دینے کے سوا کچھ اور ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں مولانا سے باادب گذارش کروں گا کہ آپ دارالعلوم دیوبند جیسی مشہور درس گاہ کے شیخ الحدیث ہیں۔ آپ سے زیادہ کون اس سے آگاہ ہو گا کہ حدیثوں میں صرف من فسر القرآن برایہ فقد کفر جیسی حدیثیں ہی بیان نہیں ہوئی ہیں بلکہ ان میں اس طرح کی حدیثیں بھی موجود ہیں کہ لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذالک (ترجمہ) کوئی شخص کسی پر فسق اور کفر کا الزام نہ لگائے کیونکہ اگر وہ ایسا نہ ہوگا تو کہنے والے پر یہ بات لوٹ آئے گی۔

اس لئے جب تک آپ اس بات کی طرف سے پورا پورا اطمینان نہ فرمالیں کہ ہم واقعی حدیثوں کو اس طرح پسِ پشت ڈال دیا کرتے ہیں۔ اس وقت تک محض اقتباسات پر بھروسہ کر کے یا اپنے ظن و گمان کو کام میں لا کر کسی طرف کفر منسوب کرنے کا حوصلہ نہ کریں اور ایک پوری جماعت کے بارے میں اس طرح کی کوئی بات کہہ دینا تو بہت ہی بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ اگر ایک یا چند

افراد کے بارے میں اس طرح کی کوئی بات کہی جائے تو گو یہ بھی ایک سخت معاملہ ہے لیکن بات پھر بھی ہلکی ہے، کیونکہ ہم میں ایسے اشخاص ہو سکتے ہیں جو یا تو سرے سے اس حدیث سے واقف ہی نہ ہوں، یا قرآن کی تفسیر انھوں نے نادانستہ طور سے اس طرح کی ہو کہ اس پر تفسیر بالرائے کا اطلاق آسانی کے ساتھ ہو سکے، بلکہ میں تو یہ بھی علی سبیل الفرض تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوں کہ ہم میں بعض ایسے سر پھرے بھی ہو سکتے ہیں جو دانستہ تفسیر بالرائے جیسے سنگین جرم کا ارتکاب کر کے اپنی عاقبت خراب کر رہے ہوں لیکن یہ بات کہ پوری جماعت تفسیر بالرائے کی قائل ہے اتنا بڑا اور سنگین الزام ہے کہ مولانا کو یہ الزام عائد کرتے وقت اپنی ذمہ داریوں کا احساس رہا ہو یا نہ رہا ہو لیکن اس کا تصور کرنے ہی سے ہمارے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ معلوم نہیں مولانا نے اتنا بڑا الزام کس طرح کے "اقتباسات" پر تکیہ کر کے پوری جماعت پر عائد کر دیا ہے۔ میں مولانا کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ یہ جماعت کا عقیدہ نہیں ہے بلکہ میرے علم میں کوئی اس کا ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہو۔ اور اگر اس کے ثبوت میں مولانا کے پاس کوئی دلیل ہو تو وہ ضرور ارشاد فرمائیں۔ ہم کسی ایسے شخص کو ایک لمحہ کے لئے بھی جماعت کے اندر برداشت نہیں کر سکتے۔ البتہ اس ضمن میں ایک بات میں صاف کر دینی چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک تفسیر بالرائے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآن میں غور و تدبر کا دروازہ بند کر دیا جائے یا پچھلے لوگ جو کچھ کہہ چکے ہیں ان سب کی اتباع لازم ٹھہرالی جائے۔ خود سلف نے دلیلوں کی بنیاد پر ایک دوسرے کی رایوں سے اختلاف کیا ہے اور جو لوگ اس کے اہل ہیں وہ ایسا کرنے کے بالکل مجاز ہیں۔ یہ طریقہ نہ تفسیر بالرائے کے ہم معنیٰ ہے اور نہ اس سے سلف کی توہین لازم آتی ہے۔ تفسیر بالرائے کا مطلب ہم محض اتنا سمجھتے ہیں کہ کسی آیت کی کوئی ایسی تفسیر کی جائے جو قرآن وحدیث یا قواعد و لغت کے خلاف ہو۔ اس بارے میں ہمارا خیال بعینہٖ وہی ہے جو مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے مقدمہ ترجمان القرآن میں تحریر فرمایا ہے:۔

> "تفسیر بالرائے کا مطلب سمجھنے میں لوگوں کو لغزشیں ہوئی ہیں۔ تفسیر بالرائے کی ممانعت سے مقصود یہ نہ تھا کہ قرآن کے مطالب میں عقل و بصیرت سے کام نہ لیا جائے یا اس کی تفسیر کرنے میں عقل و درایت کو دخل نہ دیا جائے کیونکہ اگر یہ مطلب ہوتا تو پھر

قرآن کا درس و مطالعہ ہی بے سود ہو جائے، حالانکہ خود قرآن کا یہ حال ہے کہ اول سے لے کر آخر تک تعقل و تفکر کی دعوت ہے اور ہر جگہ مطالبہ کرتا ہے کہ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (۴۷:۲۶) تفسیر بالرائے میں رائے بمعنی لغوی نہیں ہے بلکہ رائے مصطلحہ شارع ہے اور اس سے مقصود ایسی تفسیر ہے جو اس لئے نہ کی جائے کہ خود قرآن کیا کہتا ہے بلکہ اس لئے کی جائے کہ ہماری کوئی ٹھہرائی ہوئی رائے کیا چاہتی ہے اور کس طرح قرآن کو کھینچ تان کر اس کے مطابق کر دیا جا سکتا ہے۔

مثلاً جب باب عقائد میں رد و کد شروع ہوئی تو مختلف مذاہبِ کلامیہ پیدا ہو گئے۔ ہر مذہب کے مناظرین نے چاہا کہ اپنے مذہب پر نصوصِ قرآنیہ کو ڈھالیں۔ وہ اس کی جستجو میں نہ تھے کہ قرآن کیا کہتا ہے بلکہ ان کی کاوش تھی کہ کسی طرح اسے اپنے مذہب کا مؤید دکھلا دیں۔ اس طرح کی تفسیر تفسیر بالرائے تھی۔ یا مثلاً مذاہب فقہیہ کے مقلدین میں جب تحزب و تشیع کے جذبات تیز ہوئے تو اپنے مسائل کے پیچ میں آیاتِ قرآنیہ کو کھینچ تاننے لگے۔ اس کی کچھ فکر نہ تھی کہ لغت عربی کے صاف صاف معانی، اسلوب قرآن کا قدرتی مقتضیٰ و عقل و بصیرت کا واضح فیصلہ کیا کہتا ہے۔ تمام تر کوشش یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح قرآن کو اپنے مذہب کے مطابق کر دکھایئے۔ یہ تفسیر، تفسیر بالرائے ہے۔

یا مثلاً ایک گروہ متصوفین کا پیدا ہوا اور اپنے موضوعہ عقائد و اصول پر قرآن کو ڈھالنے لگا۔ قرآن کا کوئی حکم، کوئی عقیدہ، کوئی بیان تحریف معنوی سے نہ بچا۔ یہ تفسیر بالرائے تھی۔ یا مثلاً قرآن کے طریق استدلال کو منطقی جامہ پہنانا، یا جہاں کہیں آسمان اور کواکب و نجوم کے الفاظ آ گئے ہیں، یونانی علم ہیئت کے مسائل چپکانے لگنا، یقیناً تفسیر بالرائے ہے۔ الخ (ترجمان القرآن۔ جلد اول ص۱۸)

تفسیر بالرائے کے بارے میں مولانا آزاد نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ ان کا کوئی مخصوص خیال نہیں ہے بلکہ یہی ہر دور کے محققین علماء کی رائے رہی ہے اور خود اکابر دیوبند بھی نہ صرف یہ کہ اس رائے کے مؤید ہیں بلکہ ان کا عمل بھی اس کا شاہد ہے۔ اگر ضرورت پیش آئے گی تو ان شاء اللہ ہم اس

کے شواہد بھی پیش کرسکیں گے۔

لیکن اس عبارت کے ضمن میں ایک بات خاص طور سے لائق توجہ ہے۔ مولانا نے تفسیر بالرائے کے ضمن میں جو مثالیں دی ہیں وہ ان عبارتوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے جن کی بنیاد پر مولانا مولانا مودودی اور جماعتِ اسلامی پر اکابر اور سلف کی توہین کا الزام عائد کیا گیا ہے، لیکن یہ کتنی عجیب بات ہے کہ یہ باتیں مولانا آزاد فرماتے ہیں تو ٹھنڈے دل سے گوارا کرلی جاتی ہیں بلکہ ابھی حال میں جب مولانا موصوف دارالعلوم دیوبند تشریف لے جاتے ہیں تو جو لوگ اس طرح کی باتوں پر اعتراض کرنے میں سب سے پیش پیش ہیں، وہی ان کی خدمت میں تہنیتی قصائد پیش فرماتے ہیں اور ان کے علم وفضل وخدماتِ دینی کو دل کھول کر داد دیتے ہیں لیکن جب وہی باتیں کوئی دوسرا شخص کہہ دیتا ہے جو ان کی طرح کی کسی ظاہری دنیاوی اعزاز کا تو مالک نہیں ہے لیکن اعزازِ دین اس کا اولیں مطمح نظر ہے اور یہ باتیں بھی وہ نہ برائے تحقیق کہتا ہے اور نہ بہ نیت تحقیر و توہین بلکہ اس میں ایک دینی غرض ہی شامل ہوتی ہے تو اس پر ان ہی حضرات کی طرف سے فسق وضلالت کے فتوے چسپاں کردیئے جاتے ہیں۔ معلوم نہیں اس فرق کی کیا وجہ ہے؟

مولانا نے اس الزام کے تحت مزید بات یہ ارشاد فرمائی ہے کہ ہر وہ پروفیسر جو کہ ملحدانِ یورپ اور ان کی نئی روشنی کا حامل اور تھوڑی بہت عربی زبان سے واقف ہے" اس کے نزدیک یہ حق رکھتا ہے کہ اپنی رائے اور اپنے مذاق سے تفسیر بالرائے کرکے مسلمانوں کے لئے مشعلِ راہ بنے اور یہی آپ کے یہاں ہو رہا ہے خواہ اس کی تفسیر کتنی ہی سلفِ صالحین اور اقوالِ صحابہ کرام کے خلاف ہو"

اس ارشادِ گرامی کے دو جزر ہیں۔ پہلے جزر میں ایک عمومی بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ ہم ہر کس و ناکس کا، جو تھوڑی بہت عربی جانتا ہو اور یورپ کے ملحدانہ خیالات کا حامل ہو یہ حق تسلیم کرتے ہیں کہ وہ اپنی رائے اور مذاق سے قرآن کی تفسیر بالرائے کرے اور مسلمانوں کا مقتدا بن جائے" اور دوسرا جزر یہ ہے کہ ہم یہ عقیدہ ہی نہیں رکھتے بلکہ عملاً ہمارے یہاں ایسا ہو بھی رہا ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ محض اقتباسات پر تکیہ کرکے مولانا نے ہمارے خلاف اتنے سنگین الزامات عائد کردیئے ہیں لیکن افسوس سے زیادہ مجھے حیرت ہے کہ مولانا نے اس طرح کی باتیں کرتے وقت اس بات کی مطلق پرواہ نہیں کی کہ لوگ اس طرح کے الزامات پڑھنے کے بعد مولانا کے بارے میں

کیا رائے قائم کریں گے۔ جماعتِ اسلامی کا لٹریچر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو محض الماریوں کی زینت بنا پڑا ہو، وہ لاکھوں انسانوں تک پہنچ چکا ہے۔ ایسے لوگ جب اس طرح کی باتیں مولانا کی زبان قلم سے سنیں گے تو ان کو مولانا کے اس اظہارِ خیال پر کتنی حیرت ہوگی! تحریکِ اسلامی یا اس کے لٹریچر سے غیر معمولی واقفیت رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ اس کی اصل خوبی ہی یہ ہے کہ اس نے یورپ کے افکار و نظریات پر اسلامی نقطۂ نظر سے تنقید کر کے ان کے بخیئے ادھیڑ دیئے ہیں جس کا کھلا ہوا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے جو ہمارے مخالفین تک کو بھی تسلیم ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو اپنی ذہنی مرعوبیت کی وجہ سے اسلام سے برگشتہ ہو رہا تھا وہ اس لٹریچر کے ذریعہ اسلام کی طرف مائل ہوا اور ان میں سے کتنے ایسے ہیں جن کا جذبہ دینی ہمارے بہت سے پختہ دینداروں کے لئے بھی باعثِ رشک ہو سکتا ہے۔ خود رسالہ دارالعلوم کے پچھلے پرچہ میں مولانا حکیم عبدالرشید محمود صاحب کا جو مخالفانہ مضمون شائع ہوا ہے اس تک میں یہ اعتراف موجود ہے کہ:۔

"مولانا مودودی کی دعوت و تحریک اور مجموعۂ لٹریچر کچھ منفعتیں بھی اپنے اندر رکھتا ہے اور بعض مضرتیں بھی۔ منفعت اس اعتبار سے کہ ایک ایسا طبقہ دین سے آشنا ہو رہا ہے جس کا دین کی طرف میلان دشوار تھا اور وہ الحاد کی دلدل میں مبتلا تھا۔ کم از کم اور مضرتوں کے ساتھ ان کے متکلمانہ ادا و تعبیر اور حسن ادب و انشا کی یہ خوبی ہے کہ وہ اس طبقہ کی ریب و تشکیک با وجود انکار کو تصدیق و ثبات کی طرف مائل کرنے میں ایک حد تک کامیاب ہے۔ نیز دین کے خلاف اور مذہب سے متصادم آج جو تحریکیں قومیت، وطنیت، کمیونزم کی راہ سے سامنے آرہی ہیں ان کے مقابلے میں مستعد ہے اس خدمت کا وزن اپنی جگہ پر بہت وزنی ہے۔[1] الخ

(دارالعلوم ع ۱ ص ۲۲)

---

[1] مولانا نے جو مضرتیں گنوائی ہیں ان سے یہاں ہم تعرض کرنا نہیں چاہتے ان کا مفصل جواب بعد کو آئے گا لیکن میں یہاں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ اثبات و انکار ہماری سمجھ سے بالکل باہر ہے۔ صاف اور سیدھی بات یہی ہو سکتی ہے کہ اگر آپ کا دل تحریکِ اسلامی اور اس کی دعوت کو صحیح تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہے

لیکن اس ناواقفیت یا تجاہل کو کیا جائے کہ اس تحریک یا اس کے لٹریچر کے بارے میں مولانا مدنی مدظلہٗ کا ارشاد ہے کہ وہ مغرب زدہ لوگوں کی اصلاح کے بجائے ان کو قرآن کی من مانی تفسیر کرنے کا حق دیتی ہے اور ان کو وہ مسلمانوں کا مقتدا تسلیم کرتی ہے۔ مولانا تسلیم کریں یا نہ کریں لیکن جو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تو آپ محض اس کی مضرتیں تفصیل کے ساتھ گنواتے رہیں اور اس کی منفعتوں کا سرے سے تذکرہ نہ فرمائیں، جیسا کہ اس وقت بہت سے اہلِ تقویٰ کر رہے ہیں تاکہ ان پر کوئی شخص یہ الزام عائد نہ کر سکے کہ وہ منفعتوں کی حد تک اس کا ساتھ کیوں نہیں دیتے۔ ایک طویل استفتاء جو اپنے طویل جوابات کے ساتھ علماءِ دیوبند اور رام پور کے کچھ مفتیوں کی طرف سے الگ الگ شائع ہوا ہے، اس کی یہ بات خاص طور سے قابل ملاحظہ ہے کہ وہ اس ادعا کے ساتھ حضرات مفتیانِ کرام کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا کہ اس میں تحریکِ اسلامی کے مفید و مضر دونوں پہلو ظاہر کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن اس کے مفید پہلو میں مستفتی حضرات کو صرف اتنی بات نظر آسکی ہے کہ اس کے ذریعہ مسلمانوں میں نماز روزہ حج و زکوٰۃ وغیرہ شرعی اعمال کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے" کون ہے جو اس انصاف و دیانت پر قربان نہ ہو جائے۔ اگر ان حضرات کو جماعتِ اسلامی کی مخالفت ہی کرنی تھی تو پہلے ان کو اس سے تو کم از کم واقف ہو جانا چاہیئے تھا کہ یہ تحریک ہے کیا؟ اور اگر واقف ہو کر انھوں نے اس انداز میں اس کی منفعت کا تذکرہ فرمایا ہے تو اس ضمن میں انصاف و دیانت کا نام لینا بڑی بے انصافی کی بات معلوم ہوتی ہے۔ ان کو واقفیت اور عدل و انصاف کے اس معیار کو تو کم از کم سامنے رکھنا چاہیئے تھا جو مثلاً حکیم محمود صاحب نے اختیار فرمایا ہے اور اس سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ ہمارے بہت سے مفتیوں کا ظرف اتنے انصاف کو بھی برداشت نہیں کر سکا ہے چنانچہ ایک مفتی صاحب فرماتے ہیں:۔

"فقیر کو دونوں پہلوؤں میں سے کسی پہلو سے بھی اتفاق نہیں۔ دونوں مضر ہیں" اور ایک دوسرے مفتی صاحب نے اگر بالفرض والتقدیر کے طور پر منفعت کے اس پہلو کو استکراہ قلب کے ساتھ تسلیم بھی فرمایا ہے تو کچھ فقہی عبارتوں کی میزان پر تول کر اس کو بالکل ہی کالعدم قرار دے دیا ہے۔ اور ایسا ہی دوسرے حضرات نے بھی کیا ہے۔ ان جوابات کو دیکھ کر ہمیں بے ساختہ وہ آیت یاد آجاتی ہے جس میں تطفیف کرنے والوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

منصف مزاج جماعت سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ جدید عہد کی "بے دینی کی راہ سے" مسلمانوں کو بچانے کے لئے تحریکِ اسلامی یا اس کے لٹریچر نے جو کام کیا ہے، اس کے مقابلہ میں ہندوستان کی کسی دینی جماعت کا کوئی کارنامہ بمشکل پیش کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے بڑے بڑے دار العلوم دین کی جو بڑی سے بڑی خدمت انجام دے سکتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ عام مسلمانوں کو مسلمان باقی رکھنے تک محدود ہے لیکن جہاں تک جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا تعلق ہے جو یا تو مذہب کو ایک لخت خیرباد کہدیتا ہے یا پھر وہ زعمِ باطل میں مبتلا ہو کر اپنی تفسیر بالرائے کے ذریعہ دین کے بخیئے ادھیڑنے لگتا ہے۔ ان لوگوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وَاِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ o وَاِذَا کَالُوْھُمْ اَوْ وَّزَنُوْھُمْ یُخْسِرُوْنَ o اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّھُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ o لیکن اگر آپ اپنے انصاف و دیانت کو نمایاں کرنے کے لئے کچھ ویسے الفاظ میں بعض منفعتوں کا تذکرہ کچھ ضروری سمجھتے ہیں تو اس راہ کی نزاکت کو اچھی طرح ذہن میں رکھ کر قدم آگے بڑھانا چاہیئے کہ اس سے آپ کا علمِ دین ایک سخت ترین امتحان سے دوچار ہو جائے گا جس سے کامیاب ہو کر لوٹنا آپ کے لئے مشکل ہو جائے گا۔ اگر آپ یہ تسلیم فرماتے ہیں کہ اس لٹریچر کے پڑھنے سے ایک شخص جو الحاد و بے دینی میں مبتلا ہو وہ "تصدیق و اثبات" کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اور اس میں دین کی اتنی واقفیت اور اس میں اتنا استحکام پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ دین کے خلاف اور مذہب سے متصادم تحریکات مثلاً وطنیت، قومیت اور کمیونزم وغیرہ کا مقابلہ کر سکے تو پھر آپ کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس لٹریچر کا مزاج دیگر امور و مسائل میں بھی دین کے مزاج سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ کیوں کہ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ مقدم الذکر مسائل دین سے کوئی لگاؤ ہی نہیں رکھتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ اسلام میں بھی دین و دنیا یا مذہب و سیاست کی تفریق کے قائل ہیں جس کا غلط ہونا ہر واقفِ دین کے نزدیک مسلم ہے اور اس صورت میں آپ کو یہ کہنے کا بھی حق نہ ہوگا کہ اس لٹریچر نے ان مسائل کی حد تک کوئی دینی خدمت انجام دی ہے، حالانکہ آپ یہ کہہ چکے ہیں۔ اور اگر آپ دین کے ساتھ ان کا لگاؤ تسلیم کرتے ہیں تو یہ کیا بات ہوئی کہ ایک شخص ان مسائل کی حد تک تو دین کی صحیح ترجمانی کرے، لیکن دیگر مسائل میں جو ان سے کہیں زیادہ آسان ہیں، وہ فاحش و مضحکہ انگیز غلطیاں کرے۔ دراں حالیکہ یہ دونوں مسائل ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہیں جن کو ایک دوسرے سے جدا کر دینا ممکن ہی نہیں ہے۔

کو دین پر لانے والی سب سے موثر چیز جماعتِ اسلامی کا لٹریچر ہی ہے کیونکہ یہ ان پر کفر کا فتویٰ چسپاں کر کے یا مسلمانوں کو ان کے خلاف بھڑکا کر ان کو زبردستی دائرۂ دین میں لانے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ جن راہوں سے ان میں بے دینی گھس آتی ہے ان پر تنقید کر کے ان کا کھوکھلا پن واضح کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ پوری طمانیت اور یک سوئی کے ساتھ دین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور پھر وہ اس کے اندر اتنے مستحکم ہو جاتے ہیں کہ بقول شخصے "وہ پختگی ان بیضاوی خوانوں کو بھی حاصل نہیں ہوتی جو ان دارالعلوموں میں ہمارے بڑے بڑے فضلائے دین کے دامن تربیت میں پرورش پا کر نکلتے ہیں"۔ پھر اس تحریک کا اصل کارنامہ یہی نہیں ہے کہ اس نے اس طرح کا لٹریچر فراہم کر دیا ہے، بلکہ اس سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے دین کا مصرف صرف یہی نہیں قرار دیا ہے کہ اس کے محامد و فضائل پر بڑے بڑے وعظ کہے جائیں یا موٹی موٹی کتابیں تصنیف کر دی جائیں بلکہ یہ ہے کہ وہ اس کو عملاً نافذ کرنے کی داعی ہے جس کا کم سے کم فائدہ یہ ہو سکتا ہے کہ لوگ اسلام کی خوبیوں کو مسلمانوں کے عمل میں بھی دیکھ سکیں گے جو کتابوں سے زیادہ مؤثر ذریعہ تاثیر ہے، بخلاف اس کے ہمارے بہت سے علماء ملاحدۂ یورپ کی باتوں پر ناک بھوں تو چڑھاتے ہیں لیکن خود اپنے عمل کے لئے ان ہی نظریات وافکار کی اتباع ضروری خیال کرتے ہیں جو یورپ سے آئے ہوئے ہیں۔

لیکن میں سمجھتا ہوں کہ مولانا کی جو عبارت اوپر نقل ہوئی ہے اس کے پہلے جزء پر غالباً مولانا زیادہ زور دینا نہیں چاہتے۔ ان کا اصل مقصود اس کا دوسرا حصہ ہے اور اس میں بھی ان کے پیش نظر خصوصیت کے ساتھ مولانا مودودی صاحب کی ذات ہے جن کے بارے میں مولانا کو یقین دلایا گیا ہے کہ وہ محض ایک انگریزی داں آدمی ہیں اور عربی سے وہ بس محض برائے نام واقفیت رکھتے ہیں اگر ایسا ہے تو واقعی اس کا جواب دینا ہمارے لئے بہت مشکل ہے کیوں کہ اس سے خواہ مخواہ شخصیتوں پر بحث کا دروازہ کھل جائے گا اور اس قسم کی بحثوں سے ہمیں فطری اور اصولی طور پر اختلاف ہے البتہ اتنی بات اس ضمن میں میں ضرور عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر مولانا کے نزدیک علمِ دین سے واقفیت اس پر موقوف نہیں ہے کہ کسی خاص درسگاہ سے سندِ فراغت حاصل کی جائے تو ہمارے خیال میں مولانا مودودی صاحب علوم جدیدہ سے واقفیت رکھنے کے ساتھ جو بہر حال کوئی عیب نہیں ہے، ایک عالمِ دین بھی ہیں اور وہ اپنے عالمِ دین ہونے کی کوئی سند پیش کر سکیں یا نہ کر سکیں لیکن

انھوں نے علم وتحقیق کا جو بیش بہا ذخیرہ فراہم کیا ہے وہ سندوں سے زیادہ ان کے علم وفضل کی شہادت پیش کر رہا ہے اور وہ بڑے بڑے باسند علمار سے جن میں خود مولانا کے حلقہ خصوصی سے بھی تعلق رکھنے والے لوگ ہیں خراجِ تحسین حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔

(۲) معلوم نہیں اس الزام کی بنیاد کیا ہے۔ اگر معلوم ہو تو اس پر گفتگو کی جا سکتی ہے۔ اسکے بغیر تو ہم یہی کہنے پر مجبور ہیں کہ مولانا کو اس طرح کی کوئی بات بغیر کسی ثبوت کے کسی طرف منسوب نہیں کرنی چاہیئے۔

مولانا مودودی صاحب یا جماعتِ اسلامی کے کسی فرد کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیاسات یا اٹکلوں پر چلانے والے ہیں اور نہ وہ تاریخی واقعات کے ذریعہ سے احادیث صحیحہ اور حسنہ کو ردی کی ٹوکری کی نظر کرتے ہیں۔ اس طرح کے الزامات کی تردید کے لئے ہمارے لٹریچر کی کسی ایک کتاب کا مطالعہ بھی کافی ہو گا۔ مولانا مودودی نے متعدد مضامین درحقیقت اسی طرح کے اوہام کے ازالے کے لئے لکھے ہیں اور ان کے دیکھنے سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ انھوں نے کتنے عمدہ طریقے سے ان کا ازالہ کیا ہے لیکن یہ کتنی عجیب بات ہے کہ آج ان ہی پر اسی طرح کے اوہام کے قائل ہونے کا الزام عائد کیا جا رہا ہے۔

اگر مولانا محترم تھوڑی سی فرصت نکال کر صرف تفہیمات کے ان چند مضامین کو ملاحظہ فرمالیں جو "کیا نجات کے لئے صرف کلمۂ توحید کافی ہے؟" "کیا رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے؟" "ایمان بالرسالت"، "نبوت محمدی کا عقلی ثبوت" "اتباعِ واطاعتِ رسول" "رسالت اور اس کے احکام" "حدیث وقرآن ومنکرین حدیث کے مسلک پر ایک ناقدانہ نظر" کے عنوانات کے تحت شائع ہوئے ہیں تو یہ ہو سکتا ہے کہ ان مضامین کے کسی خاص جزر سے مولانا متفق نہ ہو سکیں، لیکن مجھے یقین ہے کہ جہاں تک اصل اعتراض کا تعلق ہے ان مضامین کے دیکھنے کے بعد اس پر مولانا کو بڑی حیرانی ہو گی۔ اور اگر مولانا کو مذکورہ بالا جملہ مضامین کے ملاحظہ فرمانے کی فرصت نہیں ہے تو وہ کم از کم مؤخرالذکر دونوں مضمونوں کو ملاحظہ فرمالیں جو خاص طور سے منکرین حدیث کے اسی طرح کے خیالات کے ازالہ وتردید کے لئے لکھے گئے ہیں جو زمانہ کی ستم ظریفی کی بدولت خود مودودی صاحب کی طرف منسوب کئے جا رہے ہیں۔ مضمون بہت طویل ہو جائے گا ورنہ میں ان کے اقتباسات

یہاں پیش کرتا اور اقتباسات پیش کرنے میں ایک مجبوری یہ بھی ہے کہ یہ مضامین شروع سے لے کر آخر تک ان ہی خیالات کی تردید ہیں، اس لئے کس حصہ کو چھوڑا جائے اور کس حصہ کو نقل کیا جائے۔ بہتر ہے کہ مولانا یا دوسرے لوگ جو اس بارے میں بدگمانی میں مبتلا ہیں وہ خود تکلیف فرما کر ان کو ملاحظہ فرمائیں۔ انشاء اللہ ان کو یقین ہو جائے گا کہ مولانا مودودی ابتداع فی الدین کی کوئی راہ نہیں کھول رہے ہیں بلکہ انھوں نے اپنے ان مضامین کے ذریعہ اس کا راستہ بند کرنا چاہا ہے اور اس میں وہ بہت حد تک کامیاب ہیں۔

(۳) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو غیر قابل وثوق یا ہدف ملامت بنانے کا بھی کوئی ثبوت نہیں پیش کیا گیا اور نہ پیش کیا جا سکے گا۔ خود مولانا مودودی ان کا تذکرہ انتہائی عقیدت واحترام کے ساتھ کرتے ہیں اور بے شمار مقامات پر ان کے اقوال و آثار سے استناد کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی کتابیں پڑھنے والا ہر شخص گواہی دے سکتا ہے کہ ان کے پڑھنے سے اس کے دل میں صحابہ کرام کی غیر معمولی عقیدت واحترام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے یا تحقیر واہانت کا ــــ ہاں اگر اس شکایت کا منشا یہ ہو کہ وہ صحابہ کرام کو بہرحال بشر ہی خیال کرتے ہیں تو میں اس الزام کا کوئی دفعیہ نہیں کرنا چاہتا کیونکہ ان سے بھی بڑے لوگوں کا خیال بھی کچھ ایسا ہی رہا ہے۔ پھر کس کے سر سے الزام کو ہٹایا جائے اور کس کو چھوڑ دیا جائے؟

رہی یہ بات کہ ہزارہا صفحات پر پھیلے ہوئے لٹریچر میں سے کچھ عبارتیں تلاش وجستجو کے بعد بھی نکالی جا سکتی ہیں جن کو کوئی شخص چاہے تو توہین پر محمول کر سکے تو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ مصنف بھی بہرحال انسان ہیں ان سے بھی غلطیاں ہوتی ہیں۔ چنانچہ ہوئی بھی ہیں جیسا کہ آگے آئے گا۔ لیکن کہنا یہ ہے کہ کیا واقعی ان کا دل ان کے احترام کے جذبہ سے خالی ہے اور ان کی توہین کرنا ہی ان کا مدعا ہے جیسا کہ بہت سے مفتیوں نے ظاہر فرمایا ہے۔ اس سوال کے جواب میں خود کچھ عرض کرنے سے زیادہ مناسب یہ سمجھتا ہوں کہ ترجمان القرآن کے تازہ پرچہ میں خاص اسی مسئلہ پر ایک مختصر سا ضمنی نوٹ شائع ہوا ہے اسے یہاں نقل کر دوں اس سے اس الزام کی حقیقت اچھی طرح واضح ہو سکے گی۔

مولانا حکیم عبد الرشید صاحب گنگوہی کے جس مضمون کا حوالہ اوپر گذر چکا ہے اس میں

ایک جگہ انھوں نے کچھ اسی طرح کا الزام مولانا مودودی پر عائد کیا تھا اور اس کے ثبوت میں ان کی ایک تحریر کی طرف اشارہ فرمایا تھا اس کا جواب دیتے ہوئے مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے تحریر فرمایا ہے :۔

"اس الزام کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ حقوق الزوجین میں ایلار کے مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے مصنف نے ایک جگہ اس سوال پر بحث کی تھی کہ چار مہینے گذر جانے کے بعد ایلار کرنے والوں کو رجوع کا حق رہتا ہے یا نہیں، اس سلسلے میں اس نے صحابہ کے دو گروہوں کی مختلف آرار نقل کی ہیں اور دونوں میں موازنہ کرکے اس گروہ کی رائے کو ترجیح دی ہے جس نے رجوع کے حق کی نفی کی ہے۔ دوسرے گروہ کی رائے کے متعلق اس نے لکھا ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بالفاظ صریح ایلار کرنے والوں کو صرف چار مہینے کی مہلت دی ہے۔ اس لیے یہ مدت گذر جانے کے بعد اس کو رجوع کا حق دینا اس مہلت میں اضافہ کرتا ہے اور "یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حد سے صریح تجاوز ہے" یہ کتاب جب شائع ہوئی تو ایک عالم دین نے مصنف کو توجہ دلائی کہ یہ طرز بیان نامناسب ہے اسے بدل دینا بہتر ہے۔ چنانچہ مصنف نے ان کے مشورے کو بلا تامل قبول کر لیا اور حقوق الزوجین کے دوسرے ایڈیشن میں عبارت کو بدل کر یوں کر دیا کہ "یہ اضافہ بظاہر کتاب اللہ کی مقرر کی ہوئی حد سے زائد ہے۔"

(ملاحظہ ہو حقوق الزوجین طبع دوم ص۲۵)

"یہ چیز ہے جس پر اتنے بڑے الزام کی بنا رکھی گئی ہے کہ یہ شخص صحابہ کی توہین کرتا ہے اور انھیں حدود اللہ سے تجاوز کا مرتکب ٹھہراتا ہے۔ شاید یہ حضرات اس ایک فقرے کے سوا (جس سے رجوع کئے بھی برسوں گذر چکے ہیں)، کوئی دوسری عبارت اس الزام کے ثبوت میں پیش نہیں کر سکتے۔" (ترجمان القرآن، ۲۵ عدد، ۵ و ۶)

اگر مولانا مدنی مدظلہٗ نے صحابہ کرام کی توہین کا الزام حکیم صاحب کے اس 'اقتباس' کی بنیاد پر عائد کیا ہوگا تو مجھے امید ہے کہ اس نوٹ کے بعد انشار اللہ اس کا ازالہ ہو جائے گا لیکن خیال ہوتا ہے کہ اس کا باعث کچھ اور اقتباسات بھی ہوں گے اس لیے ان کی حیثیت کی طرف بھی اشارہ کر دینا

مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ابھی حال میں فضلاء دار العلوم دیوبند بشمول مولانا مدنی مدظلہٗ کے دستخطوں سے جو فتویٰ جماعت کے خلاف شائع ہوا ہے اس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ خدانخواستہ ہم "اغیار مخالفین" جتنا بھی ایمان وانصاف نہیں رکھتے کہ وہ تو صحابہ کرام کے خلوص و دیانت اور سچائی و امانت وغیرہ کے قائل ہوں لیکن ہمیں گویا ان سے انکار ہے' اور اس کے ثبوت میں تفہیمات کی ایک عبارت پیش کی گئی ہے جن میں بعض صحابہ کے ایک دوسرے پر کچھ تنقیدی اقوال نقل کئے گئے ہیں۔

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ مصنف کتاب نے اسی مذکورہ عبارت کے خاتمہ پر حاشیہ میں لکھ دیا ہے کہ

"یہ تمام مثالیں علامہ ابن عبدالبر کی کتاب 'جامع بیان العلم' سے ماخوذ ہیں۔"

اور دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے مفتیوں کو اس کے ساتھ ہی یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ عبارت کیا بہ نیت تنقیص و توہین نقل کی گئی ہے یا اس موضوع کا مدعا ہی توہین و تنقیص ہے، ظاہر ہے یہ ایک ضمنی عبارت ہے اصل مضمون، حدیث سے متعلق ہے کہ اس کا ماننا ضروری ہے یا نہیں۔ مصنف نے پورے زور و قوت کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ حدیث کو بغیر مانے چارہ نہیں۔ البتہ اس ضمن میں انھوں نے یہ لکھا ہے کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حدیث سے استفادہ کرنے میں صرف روایات ہی پر اعتماد کر لینا کافی ہے وہ غلطی سے محفوظ نہیں ہیں اور اس ضمن میں انھوں نے روایت کی حیثیت پر گفتگو کی ہے جس کا ایک پہلو مذکورہ بالا عبارت بھی ہے۔ مضمون کی اس حیثیت کو سامنے رکھ کر آپ اس عبارت کو دیکھیں تو آپ کو اول تو اس میں کوئی قباحت کا پہلو نظر نہیں آئے گا بشرطیکہ آپ انبیاء کرام کی طرح صحابہ کرام کو بھی معصوم عن الخطاء[1] نہ سمجھتے ہوں اور اگر آپ کے ذوق کو وہ گراں ہی معلوم ہوں گی تو آپ مصنف کی اصل نیت کو دیکھتے ہوئے کہ وہ کس غرض سے اسے نقل کر رہا ہے' اس سے گذر جائیں گے اور خواہ مخواہ اس کو توہین صحابہ کا بالارادہ وہ ملزم نہیں ٹھہرائیں گے

---

[1] مولانا مولوی وجیہ الدین احمد خاں صاحب رام پوری نے اپنے جواب استفتا میں تحریر فرمایا ہے:۔
"اہل اسلام کے نزدیک شان معصومی محض انبیاء علیہم السلام کا حصہ ہے۔" ص ۲۵

جیساکہ فتووں کی عبارتوں سے مترشح ہوتا ہے۔

اسی طرح رام پور سے جو ضروری استفتار شائع ہوا ہے وہ بھی مولانا مدنی کے اس سوءِ ظن کا نشانہ بن سکتا ہے کیونکہ اس میں تجدید و احیارِ دین کی ایک عبارت توڑ مروڑ کر اپنے الفاظ میں پیش کی گئی ہے اور پھر زبردستی اس سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی توہین کا پہلو نکالا گیا ہے اور اس استفتار کا جو جواب یہاں کے مشہور و گمنام مفتیوں کی طرف سے شائع ہوا ہے اس میں ایک مفسر صاحب نے تو یہ کمال ہی کر دیا ہے کہ اس خود ساختہ مفہوم کو صحیح باور کرتے ہوئے اس کو اپنی طرف سے دو آتشہ کیا ہے یعنی اس کو سبّ و شتمِ صحابہ کے ہم معنی قرار دے کر اس پر فقہ کی کتابوں سے وہ عبارتیں بھی نقل کر دی ہیں جو سب صحابہ سے متعلق ہیں گویا جرم کو محقق مان کر اس کا فیصلہ بھی سنا دیا گیا ہے لیکن جرم کیا ہے؟ اس کی آپ خود تحقیق کرلیں تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔ بعد کو آپ اسے ان محققین و مفتیان عظام کے فتووں سے بھی ملا لیجئے گا آپ کو اپنا اور ان کا فرق آسانی سے معلوم ہو جائے گا۔ تجدید کی اصل عبارت یہ ہے:۔

"آپؐ کے بعد ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما دو ایسے کامل لیڈر اسلام کو میسر آئے جنھوں نے اسی جامعیت کے ساتھ آپؐ کے کام کو جاری رکھا۔ پھر زمامِ قیادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منتقل ہوگئی اور ابتدائً چند سال تک وہ پورا نقشہ بدستور جمار ہا جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قائم کیا تھا مگر ایک طرف حکومتِ اسلامی کی تیز رفتار وسعت کی وجہ سے کام روز بروز زیادہ سخت ہوتا جارہا تھا اور دوسری طرف حضرت عثمانؓ جن پر اس کارِ عظیم کا بار رکھا گیا تھا ان خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیش رووں کو عطا ہوئی تھیں' اس لئے جاہلیت کو اسلامی نظامِ اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنا سر دے کر اس خطرے کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر وہ رک نہ سکا۔" (ص ۳۴)

میں اپنی فہمِ ناقص سے ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ اس میں کون سی ایسی بات ہے جس کو توہین پر محمول کیا جاسکے! حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف مصنف نے کسی نقص کو منسوب نہیں کیا ہے البتہ بعض خصوصیات میں جو وہبی ہیں' جو آپ کے مقابلہ میں آپ کے پیش رو خلفار کو افضل قرار دیا ہے اور یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جسے ان کی توہین پر محمول کیا جائے۔ یہ تو اہلِ سُنّت کا عام

عقیدہ ہے کہ خلفاء راشدین اپنی ترتیب کے لحاظ سے فضیلت رکھتے ہیں۔ اسی طرح مصنف نے جس فتنہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ کوئی خود ساختہ چیز نہیں۔ متعدد حدیثوں میں اسکی طرف اشارے موجود ہیں اور اس فتنہ کا ظہور خود مصنف کے نزدیک بھی حضرت عثمان کے کسی نقص کی دلیل نہیں ہے جب کہ اس کے بقول انھوں نے اپنا سر دے کر اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی۔ پھر آخر اس عبارت سے توہین کا الزام کس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے؟

لیکن یہ کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ مذکورہ بالا عبارت میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں، قریب قریب وہی باتیں رام پور کے ایک عالم دین نے خود اپنے جواب استفتار میں تحریر فرمائی ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کی عبارت سے کوئی توہین لازم نہیں آتی مگر وہی باتیں کچھ اس سے زیادہ شائستہ الفاظ میں مولانا مودودی نے لکھ دی ہیں تو ان ہی صاحب نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ :-

"چوتھے حضرت عثمانؓ کی مدح سرائی کرتے ہوئے پردہ پردہ میں ایسی کمزوری بیان کی ہے جو کھلا ہوا خروج تو نہیں لیکن خروج کی طرف میلان ضرور ہے[1]" ص۳۶

بہرحال مولانا موصوف کی اپنی عبارت یہ ہے :-

اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ خلفاء اربعہ علیٰ قدر مراتب سب کے سب مقبولانِ بارگاہ تھے اور ان میں کوئی ایسی ذاتی کمزوری نہ تھی جس سے اسلام میں رخنہ اندازی ہوتی،

---

[1] اور ایک دوسرے مفسر قرآن نے اس سے بھی زیادہ آگے بڑھ کر کھلم کھلا خارجیت کا الزام عائد کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں :-

"پس حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کو بلا کسی حجت قاطعہ کے جاہلیت باطلہ کے اسلام میں گھس آنے کا باعث بتانا (العیاذ باللہ) اجماع امت کے خلاف گمراہ کرنے والا عقیدہ ہے۔ ایسا عقیدہ خوارج اور شیعوں کا تو ہو سکتا ہے۔ اہل سنت کا نہیں ہو سکتا۔"

ناظرین مذکورہ بالا عبارت کو دیکھ کر خود فیصلہ کریں کہ مصنف نے حضرت عثمانؓ کو جاہلیت کے گھس آنے کا باعث کہاں قرار دیا ہے۔ جس پر یہ مفتی صاحب بڑے متقیانہ انداز میں العیاذ باللہ پڑھتے ہیں حالانکہ اس کا صحیح محل یہ ہے یا وہ جہاں انھوں نے بغیر کسی دلیل کے ایک مسلمان پر اتنا بڑا الزام عائد کیا ہے۔

ہاں، ان حضرات کرام کو ماحول اور فضائی کمزوریوں سے دوچار ہونا پڑا اور اس کی وجہ سے کم وبیش دقتیں سب کو پیش آئیں۔ خلیفہ سوم وچہارم کے زمانہ میں یہ خلفشار بڑھ گئی اور فتن ومفاسد کی ایسی کثرت ہوئی جس سے اسلام کا شیرازہ بکھر گیا۔ (استفتائے ضروری ص۳۶)

"علیٰ قدر مراتب" کے لفظ سے مولانا نے ان کے باہمی تفاضل کے علاوہ اور کس چیز کی طرف اشارہ فرمایا ہے؟ اور فتن ومفاسد کا جو تذکرہ ان کی عبارت میں موجود ہے وہ مودودی صاحب کی عبارت سے کچھ زیادہ ہے یا کم؟ رہی یہ بات کہ یہ سب خلفاء مقبولانِ بارگاہ تھے اور ان میں کوئی ایسی ذاتی کمزوری نہ تھی جس سے اسلام میں رخنہ اندازی ہوتی، تو اس کے خلاف مولانا مودودی کا کون سا فقرہ یا جملہ اشارہ کررہا ہے؟ کیا انصاف اور کیا شانِ تقویٰ ہے کہ کسی مصنف کی عبارت سے جو مفہوم نہ نکلتا ہو اسے زبردستی پیدا کیا جائے اور پھر اس پر جاہل عوام کو بھڑکانے کے لئے فتنہ انگیز حاشیے اپنی طرف سے چڑھا دیئے جائیں۔

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے میں ایک مشہور فاضل دیوبند کے ایک مقالے کی چند سطریں، جو دیوبند کے ہی ایک فاضل کی زیرِ ادارت شائع ہونے والے رسالہ کے تازہ نمبر میں شائع ہوا ہے اس غرض سے نقل کرنی چاہتا ہوں کہ اس سے اندازہ کیا جاسکے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر دوسرے محتاط اور متبعِ سنت علماء کرتے ہیں تو اس کا انداز کیا ہوتا ہے۔

"لیکن سچی بات یہ ہے کہ فطرۃً وہ (حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بڑے نرم دل آدمی تھے۔ اختلاف اور مقابلہ پر ڈٹنے سے ان کی طبیعت کو دور کا لگاؤ بھی نہ تھا۔ حدیث پیش کی گئی خاموش ہوگئے اور اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ مگر اس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ آپ کی اس فطری نرم مزاجی اور شرمیلی طبیعت نے لوگوں کی ہمتیں بلند کردیں۔ گو اپنی حد تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خدمت کے متعلق جو کچھ وہ کرسکتے تھے کرتے رہے لیکن عنقریب معلوم ہوگا کہ حدیث میں فتنے کی ابتدا جن لوگوں کی راہ سے ہوئی یہ وہی تھے جن کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نرم حکومت نے بدبختانہ جسارتوں کے ارتکاب کے مواقع فراہم کردیئے تھے[1] (برہان بابت مئی ص۲۶۴)

---

[1] تدوین حدیث از مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی

یہ عبارت فی نفسہٖ قابلِ اعتراض ہے یا نہیں؟ میں سردست اس سے بحث کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن جن لوگوں کو مودودی صاحب کی مذکورہ بالا عبارت میں خارجیت و شیعیت کے جراثیم نظر آتے ہیں، ان کے بارے میں ہمیں دیکھنا ہے کہ وہ اس عبارت کے بارے میں کیا رائے قائم کرتے ہیں اور وہ رائے صرف فاضل مضمون نگار ہی تک محدود رہے گی یا اس کی لپیٹ میں پورا گروہ دیوبندی آجائے گا۔ اور اس بارے میں اگر کوئی فتویٰ مرتب ہوا تو اس پر علماء دیوبند کے دستخط بھی ثبت ہوسکیں گے یا نہیں؟

(۴) اس الزام کا جواب گذشتہ سطروں میں گذر چکا ہے لیکن مولانا کے اس ارشاد کا اشارہ کسی خاص بحث کی طرف معلوم ہوتا ہے جس میں غالبًا کسی روایت پر تنقید کی گئی ہے اور وہ مولانا کو پسند نہیں ہے، اگر یقینی طور سے معلوم ہوتا کہ وہ کیا روایت ہے اور اس پر مودودی صاحب نے کیا تنقید کی ہے تو اس پر کچھ گفتگو کی جا سکتی تھی اور اسی وقت یہ بھی پتہ چل سکتا تھا کہ مولانا کو اس کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ فی نفسہٖ صحیح بھی ہے یا نہیں۔ لیکن خیال ہوتا ہے کہ یہ اشارہ تفہیمات کے مضمون "ایک حدیث پر جواب کا اعتراض" کی طرف ہے جس میں مولانا مودودی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشہور حدیث:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَطُوفُ عَلَى نِسَائِهِ فِي اللَّيْلَةِ الْوَاحِدَةِ وَلَهُ يَوْمَئِذٍ تِسْعُ نِسْوَةٍ۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے پاس ایک ہی رات میں چکر لگا لیتے تھے اور اس زمانہ میں آپ کی نو بیویاں تھیں۔"

پر کچھ نئے انداز کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کی توجیہات کرنی چاہی ہیں۔ اگر ایسا ہے تو ہم اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتے کہ مولانا مودودی کی توجیہات اپنی جگہ پر صحیح ہیں یا غلط، آپ کا علم و تحقیق جس فیصلہ پر آپ کو مجبور کرے آپ اسے بے تکلف اختیار کرلیں، ہمیں مطلق شکوہ نہ ہوگا لیکن اس کے ساتھ چند باتوں کا لحاظ ضروری ہے:

(۱) مولانا مودودی صاحب نے تاویل و توجیہہ کی جو راہ اختیار کی ہے وہ کوئی نئی راہ نہیں ہے۔ اہلِ علم و تحقیق ہمیشہ سے توجیہہ و تاویل سے کام لیتے آرہے ہیں۔ خود مولانا مدظلہٗ حنفی المذہب ہونے کی حیثیت سے جب درس حدیث دیتے ہوں گے تو ان کو متعدد مواقع پر فقہ حنفی سے متعارض اقوالِ صحابہ

کی اسی طرح توجیہ کرنی پڑتی ہوگی جس طرح مولانا مودودی صاحب نے کی ہے پس اگر اس سے معجزات اور اعمال نبویہ کی عمارت کھوکھلی نہیں ہوتی اور نہ ملاحدہ کو اس سے کوئی کاری ہتھیار ہاتھ آتا ہے تو ایک دو مواقع پر اگر مودودی صاحب نے اسی طریقے کی پیروی کی ہے تو اس سے دین میں کون سی نئی آفت آجائے گی۔ درآں حالیکہ مودودی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ اپنے خیال کے مطابق ذاتِ نبوی کو چند خاص طرح کے شکوک سے بچانے کے لئے لکھا ہے جو بحیثیتِ مقصد حنفیت کے تحفظ سے بہرحال زیادہ اونچا مقصد ہے۔

(۲) مولانا مودودی نے جو کچھ لکھا ہے غلط ہو سکتا ہے لیکن کسی کی کسی رائے وخیال کی تغلیط کے لئے صرف یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ وہ غلط ہے، اس کے لئے دلیل و حجت کی ضرورت ہوتی ہے اور ہمیں اب تک معلوم نہیں ہے کہ اس کے خلاف کیا دلائل ہیں۔

(۳) ایک مومن کو حتی الوسع حسنِ ظن سے کام لینا چاہیئے۔ اس لئے اگر کسی سے کوئی نادانستہ یا اتفاقی غلطی سرزد بھی ہو جائے تو جب تک قوی قرائن نہ ہوں اس کو اس حیثیت سے نمایاں نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ جان بوجھ کر دین میں رخنہ کا دروازہ کھولنا چاہتا ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے مفتیوں کے اکثر فتاویٰ ان کے اسی رجحان طبع کا پتہ دیتے ہیں۔

(۴) یہ بات اس عموم کے ساتھ کہنا، یقیناً مودودی صاحب پر بھی ظلم ہے اور جماعت اسلامی پر بھی۔ رواۃ اور ائمہ حدیث کو ہم بھی دین کا ستون سمجھتے ہیں۔ اس لئے ہم اتنے احمق نہیں ہو سکتے کہ دین کو قائم کرنے کا ارادہ لے کر اٹھیں اور دین کے ستون کو خود ڈھانے لگیں۔ آخر ہم بھی جو کچھ کرتے ہیں۔ ان کی بنیاد بھی تو قرآن کے بعد احادیث ہی پر قائم ہے۔ اگر ہم احادیثِ صحیحہ کے راویوں اور ائمۂ حدیث کو مجروح وغیر ثقہ قرار دیں تو خود ہماری باتوں کا کیا وزن باقی رہ جائے گا۔ اس کے علاوہ مولانا مودودی صاحب نے خود رواۃ اور ان کے فراہم کردہ ذخیرہ علم کی طرف سے بڑی شدومد کے ساتھ مدافعت کی ہے۔ ہاں اس کے ساتھ ان کا خیال یہ ہے کہ نہ احادیث کا سارا ذخیرہ آنکھیں بند کر کے مان لینے کا ہے[1]، اور نہ تحقیق کی نیت سے سلف پر گفتگو کرنا کوئی عیب ہے، ورنہ اسماء الرجال

---

[1] مولانا محمد یوسف صاحب بنوری فاضل دیوبند مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

کا سارا دفتر بے معنی قرار پائے گا ___ اور اس ضمن میں یہ بات بھی پیش نظر رہے تو اچھا ہے کہ جہاں رواۃ یا ائمہ حدیث کو تنقید کرنے سے ملاحدہ کو ایک کاری ہتھیار ہاتھ آجاتا ہے وہیں یہ بھی واقعہ ہے کہ تنقید کا حق اگر پورا نہ کیا جائے تو یہ ذخیرہ بہتوں کی گمراہی کا ذریعہ بھی ثابت ہوگا۔ آج اسلام کے خلاف بہت سے اعتراضات روایات ہی کے ذخیرے کو سامنے رکھ کر کئے جاتے ہیں۔

(۶ و ۷) ان دونوں دفعات کے تحت جماعت اسلامی کی طرف جو باتیں منسوب کی گئی ہیں وہ بالکل خلافِ واقعہ ہیں۔ جماعتِ اسلامی جس مقصد کے لئے وجود میں آئی ہے، اس کے لحاظ سے تقلید اور عدم تقلید کی بحث سے براہِ راست اس کو کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ اس جماعت میں ہر وہ شخص داخل ہو سکتا ہے جو اس کے مقصد سے اتفاق رکھتا ہو اور اس کے لئے عملی جدوجہد پر آمادہ ہو، خواہ وہ اہلِ حدیث

کے متعلق فرماتے ہیں:

"مولانا کی شرح حدیث کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ محض راویوں کا حال سامنے رکھ کر کسی حدیث کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں فرماتے تھے کیونکہ یہ زیادہ قابلِ اعتبار چیز نہیں ہے۔ ہر مذہب والے راویوں پر جرح کر کے دوسرے مذہب والوں کی دلیلوں کو توڑ دیتے ہیں اور اس ذریعہ سے طرف مقابل پر حملہ آور ہوتے ہیں اور یہ جنگ ان میں جاری رہتی ہے اور رواۃ حدیث میں کون راوی ہے جو جرح وتعدیل سے بچا ہو۔ پس اگر مدار گفتگو اتنی ہی بات ہے تو کسی مذہب کے ماننے والوں کے لئے اپنے مذہب کو ثابت کرنا کوئی آسان بات نہ ہوگی۔ اسی بنا پر حضرت شیخ بحث اولّہ میں اس قیل وقال کی کثرت کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے رسالہ 'نیل الفرقدین' میں مسئلہ رفع الیدین کی ابتدا میں لکھا ہے کہ:

"میں نے راویوں کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال اور بحثوں کو زیادہ نقل نہیں کیا ہے کیونکہ میرے نزدیک ان بحثوں کا اعتدال کے نقطۂ نظر سے کوئی زیادہ پایہ نہیں ہے۔ ان کا حال یہ ہے کہ بعض لوگ موافقت کا موقع ہو تو راویوں پر کوئی جرح نہیں کرتے اور خاموش گزر جاتے ہیں اور مخالفت کا موقع ہو تو مین میکھ نکالتے ہیں اور یہ طریقہ نہ شفابخش ہے اور نہ کافی، بلکہ سراسر جدال کا راستہ ہے۔"

(صفحہ ۷۶)

کے گروہ سے تعلق رکھتا ہو یا ائمۂ اربعہ کی تقلید کرنے والے گروہ سے، چنانچہ ہماری جماعت میں دونوں طرح کے لوگ داخل ہیں، اور جماعت دونوں طرح کے لوگوں کو یکساں نگاہ سے دیکھتی ہے اور اس معاملہ میں ان دونوں گروہوں سے، اس سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہتی کہ وہ اپنے اختیار کردہ مسلک میں اتنے متشدد نہ ہوں کہ وہ دوسرے فریق کو برداشت نہ کرسکیں اور ہمیں اس بات پر خوشی ہے کہ عام ارکان جماعت اس کا پورا پورا لحاظ کرتے ہیں۔ مذاہب اربعہ کے ماننے والے گروہ اہلِ حدیث کو گمراہ نہیں تصوّر کرتے، اور نہ اہل حدیث حضرات اپنے علاوہ دوسرے لوگوں کو مشرک سمجھتے ہیں، جیساکہ دونوں جماعتوں کے غالی حضرات کا عام خیال ہے۔[1]

---

[1] مولانا یوسف صاحب بنوری "نفحۃ العنبر" میں حضرت شاہ انور رحمۃ اللہ علیہ کی شرح حدیث کی خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"........ جب ایک حدیث سے کوئی بات ثابت ہورہی ہو اور ظاہر الروایت میں کسی دوسری حدیث کی بنا پر اس کے برخلاف بات کہی گئی ہو تو عام مشائخ حنفیہ کی عادت یہ ہے کہ وہ اس حدیث پر کسی رتبہ میں عمل کرنے کو جائز نہیں رکھتے لیکن شیخ رحمۃ اللہ علیہ خلافِ اولیٰ کے رتبہ میں اس پر عمل جائز قرار دیتے تھے۔ مثلاً اذان میں ترجیع، آمین میں جہر و اِسرار، مقتدی کے لئے سِرّی نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا، رکوع یا رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھوں کا اٹھانا اور اس طرح کی تمام باتیں ان کے نزدیک جائز تھیں، البتہ وہ خلافِ اولیٰ سمجھتے تھے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے بدائع میں دیکھا تھا کہ تحریمہ کے ماسوا، رفعِ یدین مکروہِ تحریمی ہے جیساکہ سیاق کلام سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے، اس سے میں اپنے دل میں کچھ خلجان محسوس کرتا تھا اور خواہش ہوتی تھی کہ کاش اکابر کا کوئی قول اس کے خلاف مل جاتا یہاں تک کہ پچیس سال بعد میں نے دیکھا کہ امام ابوبکر رازی الجصاص نے احکام القرآن میں رویتِ ہلال کے متعلق ایک بحث کے ضمن میں صراحت کی ہے کہ اس مسئلے میں اختلافِ اولیت میں ہے۔ اس سے میرے دل کو بڑا سکون حاصل ہوا۔"

حضرت شیخ کا خاص جملہ یہ تھا "حق تعالیٰ جزائے خیر دے، دل ٹھنڈا کر دیا" اور آپ نے فرمایا

رہی یہ بات کہ مولانا مودودی صاحب تقلید و عدم تقلید کے بارے میں کیا خیال رکھتے ہیں، تو یہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے، جس کا جماعت سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے وہ عام لوگوں کے لئے تقلید کو ضروری سمجھتے ہیں۔ کسی صاحب نے ان سے یہ سوال کیا تھا کہ "تقلید ائمۂ اربعہ کو گروہ اہلِ حدیث حرام و شرک بتلاتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ اس کے جواب میں انھوں نے لکھا ہے:۔

> "ائمہ کی پیروی کی حقیقت صرف یہ ہے کہ ان ائمہ نے اللہ و رسول کے احکام کی چھان بین کی، آیات قرآن اور سنت رسول سے معلوم کیا کہ مسلمانوں کو عبادات اور معاملات میں کس طریقہ پر چلنا چاہیئے اور اصولِ شریعت سے جزئی احکام کا استنباط کیا۔ لہٰذا وہ بجائے خود آمر و ناہی نہیں ہیں، نہ بذات خود مطاع اور متبوع ہیں بلکہ علم نہ رکھنے والے کے لئے علم کا ایک معتبر ذریعہ ہو سکتے ہیں۔ جو شخص خود احکامِ الٰہی اور سنتِ نبوی میں نظر بالغ نہ رکھتا ہو اور خود اصول سے فروع کا استنباط کرنے کا اہل نہ ہو، اس کے لیے اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ علما اور ائمہ میں سے جس پر بھی اسے اعتماد ہو اس کے بتائے ہوئے طریقہ کی پیروی کرے۔ اگر کوئی شخص اس حیثیت سے ان کی پیروی کرتا ہے تو اس پر کوئی اعتراض کی گنجائش نہیں۔"
>
> (ترجمان القرآن جلد ۲۵ عدد ۱ تا ۴)

البتہ وہ صاحبِ علم کے لئے اس معنیٰ میں تقلید ضروری نہیں سمجھتے کہ وہ تقلید کی قسم کھا بیٹھے اور اپنی تحقیق کو کبھی کام میں نہ لائے۔ ہاں تحقیق کی بنا پر کسی ایک اسکول کے طریقے اور ر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کہ اکابر کی دوسری تحریرات میں میں نے دیکھا کہ ان تمام مذکورہ امور میں جو کچھ اختلاف ہے، اولیت کا اختلاف ہے۔

شیخ بدر الدین عینی نے مبانی الاخبار شرح معانی الآثار میں ابو عمر صاحب التمہید سے نقل کیا ہے کہ تشہد، اذان، اقامت، عیدین اور جنازہ کی تکبیروں کی تعداد اور رکوع کرتے یا اس سے اٹھتے وقت ہاتھوں کا اٹھانا وغیرہ مسائل کے بارے میں جو کچھ اختلاف ہے وہ مباح کا اختلاف ہے۔" (نفحۃ العنبر ص ۱۲)

اصول کے اتباع میں ان کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے۔ (ترجمان القرآن جلد ۵ عدد ا تا ۴)

اسی کے ساتھ وہ اہلِ علم کے لئے ائمۂ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کو بھی ہر حال میں ضروری نہیں سمجھتے بلکہ دلیل[1] کی بنیاد پر ان میں سے کسی ایک کا مسلک اختیار کرنے کو وہ بالکل جائز سمجھتے ہیں[2]۔

لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو خروج عن الدین کے ہم معنی ہو، جیسا کہ مخالفین کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے۔ خود ان ائمۂ کرام کی تصریحات اس غلو و تشدد کو ناجائز قرار دیتی ہیں۔ ان حضرات نے نہایت صفائی اور بڑی تاکید کے ساتھ فرمایا ہے کہ کتاب و سنت کے مقابلہ میں ان کا کوئی قول، کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور بہت سے محققین علماء احناف نے بھی صراحت کی ہے کہ

---

[1] دلیل سے مطلب وہ دلیلیں نہیں ہیں، جو اس زمانہ کے "مجتہدین" کے محض ہوائے نفس یا شوق اجتہاد کا نتیجہ ہوتی ہیں، اس کے خلاف تو خود مولانا مودودی صاحب نے بہت کچھ لکھا ہے، جس کے اقتباس بدقسمتی سے مولانا تک نہیں پہنچ سکے ہیں۔ بلکہ اس سے وہ دلیل مراد ہے جو کتاب و سنت کی واضح ہدایت سے راسخین فی العلم کو حاصل ہوتی ہے۔

[2] البتہ وہ مذاہب اربعہ کے حدود سے باہر قدم نکالنے کو عام طور سے صحیح نہیں سمجھتے اور جہاں تک عمل کا تعلق ہے، ہمارے علم کے مطابق خود انھوں نے اپنے کسی رائے و خیال میں ان کے حدود سے آگے قدم نہیں بڑھایا ہے اور فقہ میں وہ امام ابو حنیفہ کے طریقے کی پیروی کرتے ہیں۔

ایک شافعی المذہب معترض کو جنھوں نے شکایت کی تھی کہ آپ حنفی ائمہ کی طرح امام شافعی اور دوسرے ائمہ کے ساتھ تعظیمی جملے استعمال نہیں فرماتے ہیں۔ جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

جواباً عرض ہے کہ یہ خاکسار اگرچہ فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کے طریقے کا متبع ضرور ہے مگر تمام ائمۂ سلف کو یکساں احترام کا مستحق سمجھتا ہے۔ (ترجمان القرآن جلد ۱۰ شمارہ ۴)

اور ترجمان القرآن جلد ۲۵ عدد ۳ و ۴ میں نماز کے متعلق ایک سوال کے ضمن میں لکھا ہے:۔

"میں خود حنفی طریقہ پر نماز پڑھتا ہوں مگر اہلِ حدیث، شافعی، مالکی، حنبلی سب کی نماز کو درست سمجھتا ہوں اور سب کے پیچھے پڑھ لیا کرتا ہوں۔"

اس طرح کے حالات میں کسی ایک امام کی تقلید پر اصرار کرنا جائز نہیں ہوگا، بلکہ بعض حالات میں موجب اثم ہے، خود حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کا ہمارے بعض مخالفین نے اس ضمن میں حوالہ دیا ہے ان کا مسلک بھی اس بارے میں یہی ہے، انھوں نے اپنے "پختہ حال و عمر کے دور" کی تصنیف کی ہوئی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں اس مسئلہ پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے ان سب کو یہاں نقل کرنے کی تو گنجائش نہیں ہے البتہ دو ایک اقتباس محض نمونہ کے طور پر یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

انھوں نے ایک نہایت عمدہ بحث اس موضوع پر کی ہے کہ دین میں تحریف کے اسباب کیا ہوتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اسباب سے اپنی امت کو روکنے کے لئے کیا کیا اہتمام فرمایا ہے۔ اس ضمن میں وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"تحریفِ دین کے اسباب میں سے ایک سبب کسی غیر معصوم ہستی کی تقلید ہے۔ یعنی ایسے لوگوں کی تقلید جو نبی نہ ہوں۔ اس تقلید کی صورت یہ ہے کہ علماءِ امت میں سے کوئی شخص کسی مسئلہ میں اجتہاد کرے، اور اس کے متبعین اس کے بارے میں یہ خیال کریں کہ اس کی رائے قطعًا یا غالبًا صحیح ہی ہوگی۔ پھر اس گمان کے تحت وہ صحیح حدیثوں کو غلط کرنے سے بھی دریغ نہ کرے۔ یاد رہے یہ تقلید، اس تقلید سے بالکل مختلف شئے ہے جس کے جواز پر امت مرحومہ کا اتفاق ہے۔ کیونکہ امت مرحومہ نے مجتہدین کی تقلید کے جواز پر اگر اتفاق کیا ہے تو اس شرط کے ساتھ کہ مجتہد کی رائے کے صحیح ہونے یا غلط ہونے دونوں باتوں کا ہمیشہ امکان ہے اور متبعین کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ مسئلہ زیر بحث سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی طرف نظر جمائے رہیں اور اس بات کا پختہ عزم رکھیں کہ جب بھی کوئی صحیح حدیث اجتہاد امام کے خلاف سامنے آجائے گی، تو وہ تقلید کو ترک کردیں گے اور حدیث کی پیروی کریں گے۔"

(جلد اول باب احکام الدین من التحریف ص۱۳۲)

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:۔

"ابن حزم کا یہ کہنا کہ "تقلید حرام ہے" ان لوگوں کے ضمن میں صحیح ہے، جنہیں اجتہاد کی صلاحیت حاصل ہو، خواہ ایک ہی مسئلہ میں کیوں نہ ہو، یا پھر ان لوگوں کے ضمن میں جن پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو چکی ہو کہ نبی صلعم نے فلاں مسئلہ میں یہ

حکم دیا ہے، یا فلاں بات سے روکا ہے اور آپؐ کا یہ ارشاد منسوخ نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ احادیث کا تتبع کرے اور مسئلہ زیر بحث میں موافق و مخالف تمام اقوال دیکھ ڈالے جس کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کا کوئی ناسخ نہیں ہے یا وہ دیکھے کہ متبحر علماء کا ایک بڑا گروہ اس حدیث کے مسلک کو اختیار کئے ہوئے ہے اور مخالف کی دلیل یا تو قیاس کی بنیاد پر ہے یا استنباط کی بنیاد پر یا اس طرح کی کسی اور چیز پر، تو ایسی شکل میں حدیث نبوی کی مخالفت کرنا یا اس کو ترک کر دینا یا تو "نفاق خفی" کی بنا پر ہو سکتا ہے یا پھر "حمق جلی" کی بنا پر۔

(حجۃ اللہ البالغہ" جلد اول، باب مماینا سب ہٰذا المقام التنبیہ علی مسائل الخ)

(۸) جواب اوپر گذر چکا ہے۔ اور اس ضمن میں مولانا محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی کے مضمون کا جو اقتباس نقل کیا ہے اس سے ہمیں تعرض کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کیونکہ یہ اوپر گذر چکا ہے کہ عام لوگوں کی حد تک تقلید ہمارے نزدیک بھی ضروری ہے اور ہم ہر ایک کے اجتہاد کا حق بھی نہیں تسلیم کرتے اور یہی غالباً مولانا محمد حسین صاحب مرحوم کا بھی مدعا ہو گا۔

(۹) تصوف کے بارے میں جماعت کا کوئی خاص مسلک نہیں ہے۔ چنانچہ سلاسل صوفیہ کے متبع متعدد حضرات جماعت میں شامل بھی ہیں۔ اس بارے میں جماعت کا جو نقطۂ نظر ہے اس کی وضاحت حسب ذیل اقتباسات سے بخوبی ہو سکتی ہے جو زندگی بابت اپریل ۱۹۴۹ء کے سوال و جواب سے ماخوذ ہیں۔ مولانا حکیم عبدالرشید صاحب گنگوہی کے استفسار کے جواب میں میں نے لکھا تھا:۔

"لٹریچر کے مطالعہ سے آپ پر یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ہماری دعوت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان بنیں اور زندگی کے تمام شعبوں میں اللہ تعالیٰ اور رسول کے احکام و ہدایات کی پابندی اختیار کریں۔ اس دعوت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہم اللہ اور رسول کے سوا کسی کی اطاعت کو کسی شعبۂ زندگی میں بھی صحیح نہیں سمجھتے، خواہ وہ اپنے نفس کی ہو، یا اپنے سے باہر شیطان، آباء و اجداد یا بڑے سے بڑے شخص اور بزرگ سے بزرگ ہستی ہی کی کیوں نہ ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ علماء کی اطاعت و عقیدت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت و عقیدت

کے منافی نہیں ہے۔ بشرطیکہ یہ اطاعت وعقیدت اس اصلی اطاعت وعقیدت کے تحت ہو اور ہماری غرض اس سے یہی ہو کہ اس کے ذریعہ ہم اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی حاصل کریں۔

اب اس اصل کو سامنے رکھ کر آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ کسی کے ساتھ کس طرح کا رشتہ اطاعت وعقیدت رکھنا چاہیئے اور کس طرح کے عقیدت واطاعت کی شریعت میں گنجائش نہیں ہے۔ اگر وہ اس اصل کے مطابق ہے تو بلاشبہ ہماری جماعت کے نقطہ نظر سے بھی صحیح ہے جو حق وباطل کا معیار فرمودۂ خدا ورسول کے سوا اور کسی کو قرار نہیں دیتی۔ لیکن اگر اس کے مطابق نہیں ہے یا کسی خاص مسئلہ میں وہ اطاعت وعقیدت، اطاعت اللہ اور اطاعتِ رسول سے متصادم ہوتی ہے تو ہم ایسی اطاعت کے قائل نہیں، اور نہ اس طرح کی اطاعت وعقیدت میں مبتلا کسی شخص کے لئے ہماری جماعت میں گنجائش ہے۔

اس ضمن میں ایک اور بات پیشِ نظر رکھئے کہ ہماری جو دعوت ہے اس کے لئے ایک مناسب اور مخصوص طریق کار اور نظم بھی ہے اور اس کی پابندی ہر رُکنِ جماعت کے لئے ضروری ہے۔ دعوت کے ساتھ آپ اس طریقِ کار اور نظمِ جماعت کا بھی مطالعہ فرمالیں۔ اگر دونوں چیزوں سے آپ کو اتفاق ہو اور آپ ان کی پابندی اختیار کرنے کے لئے تیار ہوں تو آپ کے ارادے کے سوا اور کوئی بات جماعت کی رکنیت میں حارج نہیں ہوگی۔ ہم ابتدائی طور سے یہی دو باتیں دیکھتے ہیں اور اس کے بعد اس سے ہمیں کوئی بحث نہیں کہ آپ کو کس کس سے عقیدت ومحبت ہے۔ آپ جس سے چاہیں عقیدت رکھیں اور اپنے طور پر جو چاہیں کریں۔ بس اس بات کا لحاظ رکھیں کہ آپ کی کوئی بات حدود شریعت سے آگے نہ بڑھنے پائے اور بس۔"

یہ ہے تصوف کے بارے میں جماعت کا نقطۂ نظر۔ رہی یہ بات کہ ارکانِ جماعت شخصی طور سے تصوف کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں تو ہر شخص اس کے بارے میں اپنی تحقیق کے مطابق کوئی بھی رائے رکھنے کا مجاز ہے۔ اور جماعت جماعتی طور سے کسی کے ذہن وفکر کو زبردستی کسی چیز کا پابند نہیں بنانا چاہتی۔ سوا اس بات کے کہ وہ یہ دیکھ بھال کرتی رہے کہ کوئی شخص حدودِ شریعت سے کسی معاملہ میں متجاوز تو نہیں ہو رہا ہے۔ اور یہ ظاہر بات ہے کہ مروجہ تصوف یا اس کے کسی خاص طریقہ پر ایمان لے آنا ایمانیات کا کوئی جزو نہیں ہے، جسے تسلیم نہ کرنے سے کوئی شخص

خارج از دین سمجھا جائے۔ یہ مسئلہ ہمیشہ سے علماء کے درمیان ایک اختلافی مسئلہ رہا ہے۔ علماءِ امت میں اس کو سراہنے والے رہے ہیں اور اس کی مذمت کرنے والے بھی۔ لیکن اس کی بنا پر انھوں نے ایک دوسرے کو کافر یا گمراہ نہیں قرار دیا۔

اس مروجہ اصول کے تحت جماعت میں تصوف کے بارے میں مختلف خیال رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو مروجہ تصوف کو بدعت قرار دیتے ہیں اور ایسے لوگ بھی ہیں جو اس کے بہت سے اجزاء کو خالص بدعت سمجھتے ہیں لیکن اس کے کچھ اجزاء کو جو کتاب و سنت سے مطابق تو نہیں لیکن متصادم بھی نہیں ہیں ان کو وہ مباح سمجھتے ہیں۔ باقی وہ اصل تصوف جس کی تعبیر لفظ 'احسان' سے کی جاتی ہے اس کا کوئی شخص بھی جماعت میں مخالف نہیں ہے بلکہ اس کا پیدا کرنا ان کے نزدیک اصل مطلوب ہے۔

اور جس چیز کو بدھ ازم یا یوگ وغیرہ کہا گیا ہے، اس سے یہ اصل شرعی تصوف مراد نہیں ہے بلکہ اس سے وہ تصوف مراد ہے جو خود محققین صوفیا کے نزدیک غلط اور قابلِ رد ہے۔ اس ضمن میں جو اقتباسات پیش کئے گئے ہیں ان میں بدقسمتی سے اصل مدعا اور ان کے سیاق و سباق کو نمایاں نہیں کیا گیا ہے، اس لئے لوگوں کو ان کا اصل مطلب سمجھنے میں دھوکا ہوتا ہے[1]۔

---

[1] ہمارے مخالفین اس ضمن میں ہمیں کس طرح بدنام کر رہے ہیں، اس کا اندازہ حسبِ ذیل دو باتوں سے بھی بآسانی کیا جا سکتا ہے:

ایک صاحب نے جو اب بھی جماعت میں داخل نہیں ہیں، اور خط لکھتے وقت تو ان کی حیثیت محض معترض یا مخالف کی تھی، مجھے خط لکھا تھا جس میں انھوں نے اپنی ذہنی کشمکش کا اظہار اس طرح کیا تھا کہ:

"جب میں مولانا مودودی کے خیالات کی روشنی میں غور کرتا ہوں کہ اسلام ایک محدود اور پرائیوٹ مذہب نہیں ہے، بلکہ وہ ایک جامع و مانع اور ہمہ گیر نظام حیات ہے جس کی گرفت سے کوئی شعبہ باہر نہیں ہے تو تمام صوفیائے کرام اور مشائخ عظام کی زندگی ادھوری معلوم ہونے لگتی ہے اور پھر یکایک یہ خیال آتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ہندوستان اور دوسرے اسلامی ممالک کے صاحبِ مزارات اور علماء کرام اسلام کے تصور سے اب تک خالی الذہن رہے۔ کیا یہ تمام لوگ بے وقوف یا گمراہ تھے۔ مجھے ان کے

(۱۰) اس کا جواب اوپر گزر چکا ہے۔

(۱۱) اس کا جواب اوپر گذر چکا ہے لیکن اتنی بات میں اور واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ حضرات جماعت اسلامی کے نزدیک بھی قابلِ صد احترام بزرگ ہستیاں ہیں اور ان کو صرف صاحبِ کشف و کرامات بزرگ کی حیثیت سے مقدس جان لینے پر اکتفا نہیں کرتے ہیں، بلکہ ان کے کارنامہ ہائے حیات

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) متعلق اس قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے اور میں خود اپنے کو گمراہ خیال کرنے لگتا ہوں۔ میں خواجہ معین الدین چشتی جیسے بزرگوں کے مسلک کو غلط کہتے ہوئے خود کو غلطی پر سمجھتا ہوں اور میں یہ سوچنے لگتا ہوں کہ کیا مولانا مودودی ہی دنیا سے نرالے ایک مولوی مجتہد اور اسلامی فہم رکھنے والے پیدا ہوئے ہیں کہ جنھوں نے تمام گذشتہ اولیاءِ کرام اور مشائخِ عظام کی پاک زندگیوں پر پانی پھیر کر ان کے مومن کامل ہونے کو بھی مشتبہ بنا دیا ہے۔ کیا ایک ہزار سال کے دوران میں انھوں نے ہی اسلام کو سمجھا ہے اور ان کا ہی ذہن رسا اسلام کے اس تصور تک پہنچا ہے؟ اس خیال نے مجھے جماعتِ اسلامی سے برگشتہ کر دیا ہے۔"

لیکن ایک متدین اور متشرع بزرگ نے اس خط کا مفہوم ان الفاظ میں پیش فرمایا ہے:

"قریب ہی ایک جماعتی ماہنامہ "زندگی" میں ایک مراسلہ شائع ہوا ہے۔ آدمی خاصا پڑھا لکھا معلوم ہوتا ہے اور جماعت میں داخل بھی ہے جیسا کہ آخر عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ جس میں وہ لکھتا ہے، لٹریچر دیکھنے سے مجھ میں یہ انقلاب رونما ہوا کہ اب میں صحابہ کے بعد سے آج تک سوائے مودودی صاحب کے کسی شخص کو کامل الایمان نہیں سمجھتا۔ دین کے اس ضروری تقاضے سے جو مولانا مودودی نے سمجھا، تعجب ہے کہ صحابہؓ کے بعد سے اب تک ہر شخص فارغ اور خالی الذہن رہا۔ خصوصًا صوفیانے تو دین کو ایک پرائیوٹ اصول بنا کر جوگ وسنیاس کی حیثیت دے دی ہے۔ میں خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے مسلک کو غلط تصور کرتا ہوں۔ بڑے بڑے مشاہیرِ ائمہ کا کامل الایمان ہونا میری نظر میں مشتبہ ہو گیا ہے۔ آگے چل کر لکھا ہے کہ بعض دفعہ مجھ کو خیال ہوتا ہے کہ میں ہی غلطی پر ہوں۔ ایسا بھی کیا اس تیرہ سو سال میں مودودی صاحب ہی نئے نرالے مولوی و مجتہد فہم دین رکھنے اور تقاضائے دین سمجھنے والے پیدا ہوئے جنھوں نے سلف کی تمام خدمات پر پانی پھیر دیا۔ وغیرہ وغیرہ (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

کو قابلِ تحسین اور ان کو قابلِ اتباع سمجھتے ہیں اور واقعہ تو یہ ہے کہ ان حضرات کے اصل کارنامے اس زمانے میں اسی بدنام کتاب کے ذریعہ روشناس عام ہو سکے ہیں، جس کے چند فقروں کو ان کے مقام سے ہٹا کر خواہ مخواہ یہ مطلب نکالا جا رہا ہے کہ ہم ان کو ضال و مضل سمجھتے ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ ان کی بعض باتوں سے مولانا مودودی نے اختلاف کیا ہے تو یہ ان کی توہین کے مترادف ہے اور نہ اس سے ان کے کارناموں پر حرف آتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پھر لکھا: باوجود اس کے کہ اصولِ تحریک کتاب و سنت کے مطابق ہیں۔ اسلئے اس سے میں دست کش اور علیحدہ نہ ہوں گا۔"

غور کیجئے الفاظ کے تھوڑے سے ردوبدل سے بات کیا سے کیا ہو گئی ہے؟ سائل کا خط بزرگوں کی عقیدت کا مظہر تھا لیکن ان بزرگ نے اس سے استدلال یہ کرنا چاہا ہے کہ لٹریچر پڑھنے سے آدمی بزرگوں کی طرف سے بدظن ہو جاتا ہے اور اس خط میں مولانا مودودی صاحب سے اس کا ذہنی تصادم پوری طرح نمایاں ہو رہا تھا۔ لیکن صاحبِ تحریر بزرگ نے اس کو اس حیثیت سے پیش فرمایا ہے کہ وہ صحابہ کے بعد اب سوا مولانا مودودی کے کسی شخص کو کامل الایمان ہی نہیں سمجھتا۔ معلوم نہیں اصل اور اس کی تعبیر میں یہ اختلاف ان بزرگ کے قصور حافظہ کا نتیجہ ہے۔ یا یہ بھی تقویٰ کی کوئی قسم ہے کہ مخالف کو بدنام کرنے کے لئے عبارتیں بھی بدل دی جایا کریں۔ پھر یہ استدلال بھی کتنا عجیب ہے کہ کسی پڑھنے والے کے کسی تاثر کو لٹریچر کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے کی بنیاد سمجھا جائے۔ اگر اس طرح کی دلیلوں پر انحصار کیا جا سکتا ہے تو میں خود ہی ان بزرگ کے تاثرات کو اس کی تردید میں پیش کر سکتا ہوں۔ زندگی کے سوالات و جواب کے کالم میں ان بزرگ کے بعض خطوط شائع ہو چکے ہیں جن میں سے چند جملے حسب ذیل ہیں:۔

"باعثِ تحریر یہ ہے کہ میں چشتیہ سلسلے میں مولانا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سے بیعت ہوں اور صوفیا کے طریق پر کچھ ذکر کا بھی شغل کرتا ہوں۔ مولانا کے وصال کے بعد اب مولانا کے خلفاء سے تعلق خط و کتابت رکھتا ہوں۔ ساتھ ساتھ دعوتِ اسلامی سے بھی متاثر ہوں اور جماعتی لٹریچر بھی دیکھا ہے۔

(جلد ۱ ع۲ صفحہ ۴۸) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۱۲) اس کا جواب گزر چکا۔

(۱۳) اس جماعت کے لوگ علماء، تو کیا ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کو قابل احترام سمجھتے ہیں اور کسی کی توہین و تذلیل کے روادار نہیں ہیں۔ البتہ وہ اس احترام کے قائل نہیں ہیں کہ نبی کے علاوہ دوسرے لوگ بھی معصوم ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ تفننِ طبع یا تفریح خاطر کے لئے نہیں، بلکہ دینی ضروریات کے تقاضوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میں نے جہاں تک میرے فہم و تدبر نے ساتھ دیا، پورا لٹریچر مولانا مودودی کا اور اس تحریک کے متعلقہ مضامین و تحریرات سب کا مطالعہ کیا ہے، اور اس تحریر اور طرزِ فکر سے پورا پورا اتفاق اور ہمدردی رکھتا ہوں، اپنے فہم میں اس تحریک اور اس ارادتی بیعت و ذکر و شغل میں کوئی منافات بھی محسوس نہیں کرتا۔ مجھے اس تعلق پر بھی انشراح ہے اور تحریک کی حقانیت پر بھی اور ساتھ ہی دونوں کے جمع بغیر المنافات پر بھی۔ الخ (جلدہ ۲)

اس کے بعد وہ ایک دوسرے خط میں جو ابھی شائع نہیں ہوا ہے، تحریر فرماتے ہیں۔

"مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے لوگوں میں یہ ممکن ہے کہ ایسے متعصبین بھی ہوں جیسا کہ تحریر فرمایا گیا ہے، مگر ایسے لوگ بھی ہیں جن کے احساسات مجھ سے مختلف ہیں اور ایسے بھی ہیں جو اس پر مجھ سے زیادہ انشراح و اطمینان اور قلبِ سلیم کی تصدیق رکھتے ہیں۔"

اگر لٹریچر پڑھنے سے وہ اثر پیدا ہوتا ہے جو بیان کیا گیا ہے اور وہی اس لٹریچر کے یا اس تحریک کے غلط ہونے کا ثبوت ہے تو "اس انشراح و تصدیق اور اس جمع بغیر المنافات کے تصور کو کیوں نہ اس کی خوبی یا صحت کی دلیل کے طور پر پیش کیا جائے۔

ایسی ہی دلچسپ بات اس ضمن کی ایک اور یہ ہے کہ مصنف "کشف حقیقت" نے سوال کو شاید مفید طلب سمجھ کر تقریباً پورا نقل کر دیا ہے۔ لیکن اس کا جو جواب خاکسار نے دیا تھا اس کی صرف ابتدائی چند سطور اور درمیان کا ایک فقرہ جو ماقبل سے بالکل توڑ کر غیر متعلق سا کر دیا گیا ہے، نقل کیا گیا ہے۔ حالانکہ جو سطریں چھوڑ دی گئی ہیں وہی اصل موضوع سے متعلق ہیں۔ یعنی ان سے واضح ہوتا ہے کہ بزرگوں کو ہم کس نگاہ سے دیکھتے ہیں، مثلاً یہ فقرے حذف کر دیئے گئے ہیں:

"اس ضمن میں ان (مولانا مودودی) کے جو خیالات آپ کے لئے (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

کے تحت، جب کوئی بات قابلِ اعتراض نظر آتی ہے، تو وہ اس پر ضرور روک ٹوک کرتے ہیں اور یہ جانتے ہوئے ایسا کرتے ہیں کہ یہ اپنی راہ میں کانٹے بونے کے مترادف ہے لیکن چونکہ یہ ایک شرعی ذمہ داری ہے، اس لئے اس سے کسی حال میں صرف نظر نہیں کر سکتے۔ باقی رہی یہ بات کہ دین کے تحفظ کے لیے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وجہ پریشانی بن رہے ہیں، ان پر اس پہلو سے غور کیجئے کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق ہیں یا نہیں۔ اگر وہ اس پہلو سے آپ کے لئے باعثِ اطمینان نہ ہو سکیں تو خیر، یہ دوسری بات ہے اور اس بارے میں آپ مزید تحقیق فرما سکتے ہیں۔ لیکن اگر اس پہلو سے آپ ان سے مطمئن ہو سکیں تو شخصیتوں کی عقیدت کا مسئلہ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا، کیوں کہ ان کا درجہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو، بہر حال وہ حق و باطل کا معیار نہیں بن سکتے۔* (کشفِ حقیقت میں "تو" سے پہلے کا جملہ الگ کر دیا گیا ہے۔ صرف بعد کا فقرہ نقل کیا گیا ہے۔ آپ خود غور فرمائیں کہ یہ کتنی بڑی دیانت کا مظاہرہ ہے) ـــــــ اس کا معیار بس کتاب و سنت ہی ہیں۔ پھر اگر بزرگانِ دین کے ماحول اور ان کے عہد کے خصوصی حالات کو سامنے رکھا جائے تو ان کی عقیدت گھٹتی نہیں، بڑھ جاتی ہے۔ یا کم از کم وہ معذور نظر آتے ہیں اور ان میں سے بہت سے تو ایسے ہیں کہ واقعی لوگوں نے ان کے ساتھ ظلم کیا ہے۔ ان کے حقیقی کارنامے اندھی حقیقت کی نذر ہو گئے ہیں، اور وہ دنیا میں صرف صاحبِ کرامات ہی کی حیثیت سے متعارف ہیں یہ قصور ان کا نہیں، بعد والوں کا ہے۔ اس لئے وہ بہر حال ہماری عقیدت و احترام کے مستحق ہیں۔ اس ضمن میں ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو شخصی اعمال و کردار کے لحاظ سے بہت بلند ہوں لیکن بحیثیتِ مجموعی ان کی زندگی ہمیں اس زندگی سے مختلف معلوم ہوتی ہو، جو ہمارے خیال کے مطابق ایک مومن کامل کی ہونی چاہیئے۔ ایسے لوگوں کی خوبیوں کا ہم اعتراف کریں گے اور ان میں جو نقائص معلوم ہوں گے اس کا حساب وکتاب اللہ کے حوالہ کریں گے۔ نہ بزرگوں کے ساتھ عقیدت کا ہم یہ مفہوم سمجھتے ہیں کہ ان کو خطا و نسیان یا بشری کمزوریوں سے مبرا سمجھ لیں اور نہ ہی ہمارا یہ مقام ہے کہ جن لوگوں کا معاملہ خدا کے حوالے ہو چکا ہے ان کے مقامات کی تعیین میں بے وجہ اپنا سر کھپائیں۔ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥ (زندگی جلد دوم ع۱ ص۴۸)

محافظین شرع کا وقار قائم کرنا ضروری ہے تو ہم کو اس سے بالکلیہ اتفاق ہے اور ہم اپنی طرف سے اس کے سلسلے میں کسی جائز شکایت کا موقع دینا نہیں چاہتے۔ لیکن اسی کے ساتھ ہمارا خیال یہ بھی ہے کہ جب تک یہ محافظین شرع خود اپنی عزت و وقار کی حفاظت نہیں کریں گے، دوسرے لوگوں سے زبردستی ان کی عزت نہیں کرائی جا سکتی، اور نہ اس کے بغیر عزت کا تصور کسی مضبوط بنیاد پر قائم ہو سکتا ہے اس ضمن میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جماعتِ اسلامی ہی ہے جس نے اس طبقہ میں علماء کے احترام کا جذبہ پیدا کر دیا ہے، جو علماء کیا، خود دین کا مذاق اڑایا کرتا تھا یہ طبقہ جماعتِ اسلامی کا لٹریچر پڑھتا ہے تو اس میں دین کی قدر و عزت پیدا ہوتی ہے اور اس سے خود بخود علمبرداران دین کی قدر و وقعت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ یہ اس کا قدرتی نتیجہ ہے۔ اور اس کا ایک کھلا ہوا ثبوت تو خود ان کے فتووں کے سلسلے میں دیکھا جا سکتا ہے جن میں ہمارے بہت سے علماء اور مفتیوں نے ان کو شرعی زبان میں گالیاں دی ہیں۔ لیکن اس پر بھی وہ ان کو برا بھلا کہنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔ ہاں، اگر کوئی اتنا سریع الحس ہو کہ وہ ادب کے ساتھ مخالفانہ اظہار رائے کو بھی توہین سمجھنے لگے تو یقیناً ایسے شخص کو ہمارے بارے میں اس بدگمانی کا حق ہے اور ہم ایسے شخص کو اپنی طرف سے مطمئن کرنے کے ہرگز خواہش مند نہیں ہیں۔

(۱۴) جواب اوپر گذر چکا ہے۔

(۱۵) مولانا چونکہ جماعتِ اسلامی سے واقف نہیں ہیں، اس لئے ہم ان کو معذور سمجھتے ہیں، ورنہ اس دفعہ کے تحت جتنی باتیں تحریر کی گئی ہیں، وہ انتہائی حد تک افسوسناک ہیں۔ اِن الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ، کا اگر وہ مطلب مولانا کے سامنے ہوتا جو جماعتِ اسلامی کے سامنے ہے اور اس کا کوئی مفہوم ذہن میں نہ رکھتے، تو اتنے سنگین الزامات وہ عائد نہ فرماتے۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ کا جو مطلب ہم سمجھتے ہیں وہ کسی غلط فہمی کی بنا پر مولانا کے لئے قابلِ اعتراض ہو سکتا ہے لیکن وہ عام مسلمانوں اور جمہور محققین کے نزدیک بالکل مسلم ہے۔ زیرِ ترتیب شمارے میں حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کا ایک محققانہ مضمون شائع ہو رہا ہے جس میں مختلف حوالہ جات کے ذریعہ اس مفہوم پر امت کا اجماع نقل کیا گیا ہے۔ امید ہے اس کو ملاحظہ فرمانے کے بعد مولانا اپنی رائے میں ترمیم کی ضرورت محسوس کریں گے۔ اور اگر خدانخواستہ اس سے بھی اطمینان

حاصل نہ ہو تو ہمارا خیال ہے کہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کا وہ مقالہ جو خاص اسی موضوع پر ابھی چند ماہ پیشتر زندگی بابت دسمبر ۱۹۵۰ء اور دوسرے رسالوں میں شائع ہو چکا ہے مولانا کے اطمینان کا موجب ثابت ہوگا اور کم از کم اس سے یہ تو معلوم ہی ہو جائے گا کہ اگر اس مفہوم کا ماننا جارحیت ہے تو اس کے مرتکب خود ان کے قریبی دائروں میں موجود ہیں۔

یہ تو اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ کے علمی پہلو کے سلسلے میں مجھے عرض کرنا تھا۔ اب جہاں تک اس کے عملی پہلو کا تعلق ہے جس کو مولانا نے اپنے ایک فتوے میں "اس حصۂ ہندوستان میں مسلمانوں کی بربادی اور مزید خطرات مہلکہ کا پیش خیمہ" قرار دیا ہے تو اس کے سلسلے میں یہ عرض ہے کہ قطع نظر اس بات کے کہ اس آیت کا جو مفہوم ہم لیتے ہیں وہ ہر مسلمان کا جزو ایمان ہونا چاہئے جسے کسی حال میں اور کسی بڑے سے بڑے خطرے کی بنا پر بھی ترک نہیں کیا جا سکتا۔ فی نفسہ اس کے سلسلے میں کسی طرح کے کسی اندیشہ کو دل میں جگہ دینے کی کوئی معقول وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی بلکہ اس کے برعکس ہمارا خیال یہ ہے کہ اس کو ترک کرنا بربادی اور خطرات مہلکہ کا پیش خیمہ ہے اور یہ جو کچھ تباہیاں پیش آ رہی ہیں وہ اسی کا نتیجہ ہیں

بہرحال اس موضوع پر مفصل بحث تو انشاء اللہ آئندہ آئے گی۔ سردست اس کے جواب میں اپنی ان ہی باتوں کو دہرا دینا کافی سمجھتا ہوں جو ۱۹۴۸ء میں مولانا کے نام اپنے سب سے پہلے خط میں تحریر کر چکا ہوں۔ مجھے اطلاع ملی تھی کہ مولانا نے کچھ اسی طرح کے اندیشوں کی بنا پر طلبہ دارالعلوم کو جماعت سے علیحٰدہ رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ چنانچہ اسی سلسلے میں میں نے مولانا کو ایک مفصل خط لکھا تھا جس کے چند جملے یہ ہیں:۔

"آں جناب کی طرف جو باتیں جماعت کی مخالفت کے سلسلے میں منسوب کی گئی ہیں ان میں ایک بات یہ بھی ہے کہ جماعت کی وجہ سے دارالعلوم گورنمنٹ کی نگاہوں میں مشتبہ ہو جائے گا۔ معلوم نہیں آں جناب کو اس اشتباہ کا شبہ کس بنار پر لاحق ہو گیا ہے۔ اوّل تو جماعت کی سرگرمیاں کچھ اس نوعیت کی ہیں ہی نہیں کہ ان کی بنار پر گورنمنٹ جماعت سے مشتبہ ہو۔ ہم فرقہ پرستی اور فتنہ انگیزی وغیرہ سے بہت دور رہ کر محض حقیقی خدا پرستی کا پیغام بلا امتیاز قوم و فرقہ ہر انسان تک پہنچانا چاہتے ہیں اور ہمارے پروگرام اور طریق کار وغیرہ میں کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جو گورنمنٹ

کے نقطۂ نظر سے قابلِ اعتراض ہو۔ ہماری ہر بات کھلی ہوئی ہے اور دائرۂ قانون کے اندر ہے۔ اسلئے خواہ مخواہ گورنمنٹ کے بارے میں بدگمانی کیوں کی جائے اور اگر بالفرض گورنمنٹ مسلمانوں کی طرف سے عام بدگمانی کی بنا پر ہمارے بارے میں بھی بدگمانی سے کام لے تو آپ کی سابقہ روایات جرأت واستقامت کے پیشِ نظر یہ بات دور از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ محض اشتباہ کے شبہہ پر آپ جماعت کی مخالفت فرما سکتے ہیں۔ اگر واقعی یہ بات آپ نے فرمائی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ شاید یہ بھی جماعت کے بارے میں کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہوگی[1] الخ

(۱۶) جواب گزر چکا۔

(۱۷) اس سلسلے میں اپنی گذارش میں اپنے عریضے میں پیش کرچکا ہوں۔

(۱۸) ان الزامات کی بنیاد بھی معلوم نہیں کس طرح کے اقتباسات ہیں۔ معلوم ہوں تو کچھ عرض کیا جائے، بہرحال جماعتِ اسلامی ان الزامات سے قطعًا بری ہے اور جہاں تک مولانا مودودی صاحب کا تعلق ہے، ذخائرِ فقہ کے بارے میں ان کے خیالات کا اندازہ حسبِ ذیل اقتباس سے بخوبی ہو سکتا ہے:

"ہماری فقہ کا اصل ذخیرہ عربی زبان میں ہے، اور ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ بالعموم اس زبان سے ناواقف ہے۔ اس ناواقفیت کی وجہ سے اور کچھ سنی سنائی باتوں کی بنا پر ہمارے پڑھے لکھے لوگ عمومًا اس فقہی ذخیرے کے متعلق طرح طرح کی بدگمانیاں رکھتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے بہت سے لوگ تو یہاں تک کہہ بیٹھتے ہیں کہ دور از کار لاطائل اختلافی بحثوں کے اس دفترِ بے معنیٰ کو دریا بُرد کر دیا جائے اور نئے سرے سے

---

[1] مولانا نے اس کے جواب میں صرف اتنا ہی ارشاد فرمایا تھا کہ انھوں نے پریس میں جماعتِ اسلامی کی کوئی مخالفت نہیں فرمائی ہے اور مذکورہ خبر کے متعلق سکوت اختیار فرمایا۔ جس کا مطلب ہم نے یہی سمجھا کہ مولانا غالبًا اس اطلاع کی تصدیق فرما رہے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد کے خط میں میں نے اس کا اسی حیثیت سے حوالہ دیا۔ لیکن اس پر بھی مولانا کا سکوت جوں کا توں باقی رہا۔

اجتہاد کر کے کام چلایا جائے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اس قسم کے مہمل خیالات ظاہر کرتے ہیں وہ محض اپنے علم ہی کی کمی کا نہیں، فکر و تدبر کے فقدان کا بھی راز فاش کرتے ہیں۔ اگر وہ اپنے بزرگوں کے فقہی کارناموں کا واقعی مطالعہ کریں تو مجھے یقین ہے کہ انھیں اپنی ان باتوں پر خود ہی شرم آنے لگے گی۔ انھیں معلوم ہوگا کہ پچھلی بارہ تیرہ صدیوں میں ہمارے اسلاف محض فضول بحثوں میں وقت ضائع نہیں کرتے رہے ہیں، بلکہ انھوں نے اپنے بعد آنے والی نسلوں کے لئے بڑی قیمتی میراث چھوڑی ہے اور وہ بہت ہی ابتدائی منزلیں ہمارے لئے تعمیر کر گئے ہیں۔ اور ہم سے بڑھ کر زیاں کار کوئی نہ ہوگا، اگر ہم محض جہالت کی بنا پر اس بنی ہوئی عمارت کو خواہ مخواہ ڈھا کر نئے سرے سے ہی تعمیر کی ابتدا کرنے پر اصرار کریں۔ ہمارے لئے عقل مندی یہی ہے کہ جو اگلے بنا گئے ہیں اسے اپنی آج کی ضرورتوں کے لئے کارآمد بنائیں اور آگے جن چیزوں کی ضرورت پیش آئے اس کے لئے مزید تعمیر کرتے رہیں۔ ورنہ ہر نسل اگر یونہی اپنے سے پہلی نسلوں کے کام پر پانی پھیرتی رہے اور نئے سرے سے سب کچھ بنانے کی کوشش کرے تو یقیناً ترقی کی طرف قدم آگے بڑھ ہی نہیں سکتا۔"

(اسلامی قانون صفحہ ۵۹ ـ ۶۰)

باقی رہی یہ بات کہ مولانا مودودی فقہ کے ذخائر میں ترمیم و اصلاح و حذف کے قائل ہیں تو اس کی اتنی اصلیت ہمیں بہر حال تسلیم ہے کہ وہ یقیناً یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ فقہ کے قدیم ذخائر میں، مستقبل میں پیش آنے والے تمام امور و مسائل کو حل کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ اس لئے اب مزید کسی کاوش کی ضرورت نہیں ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ الزام رکھنے کی بات تو دوسری ہے، ورنہ عام طور سے اہلِ علم اس بارے میں مودودی صاحب سے کوئی مختلف خیال نہیں رکھتے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بہ تقاضائے ضرورت عملاً ذخائرِ فقہ میں ترمیم و اصلاح ہوتی رہی ہے[1] اور اگر اسلام رہتی دنیا تک رہنے والا مذہب ہے، تو یقینی طور سے اس کی ضرورت پیش آتی رہے گی۔

---

[1] اقول انت خبیر بان کثیرا من الاحکام تغیرت لتغیر الزمان (شامی جلد ۲ صـ۱۲۷)

لیکن ترمیم و اصلاح کی صحیح صورت کیا ہے؟ یہ ایک الگ مسئلہ ہے. جس کے بارے میں مودودی صاحب کے نقطۂ نظر کی ایک جھلک اوپر کے اقتباس میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ وہ قدیم کو ڈھا کر نئی تعمیر کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ قدیم کو برقرار رکھتے ہوئے جدید ضروریات کے لئے قدیم طریق کے مطابق جدید تعمیر کے قائل ہیں۔

(۱۹) اس الزام پر میں اپنے اصل خط میں روشنی ڈال چکا ہوں۔

الزامات کے سلسلے کی آخری چیز جو کسی دفعہ کے تحت نہیں رکھی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ جماعتِ اسلامی مودودی صاحب کے شخصی اعتقادات و خیالات ہی کا نام ہے جس کے ضمن میں بڑے اہتمام کے ساتھ خود مودودی صاحب کے ایک مضمون کا، جو خاکسار تحریک کے سلسلے میں انھوں نے لکھا تھا، حوالہ دیا گیا ہے[۱]

---

[۱] پرلطف بات یہ ہے کہ ہمارے بہت سے مخالفین مودودی صاحب کے اس مضمون کا حوالہ بھی دیتے ہیں، اور ساتھ ہی ان کی طرف وہ باتیں بھی منسوب کرتے ہیں، جن پر اسی مضمون میں مودودی صاحب نے شدت کے ساتھ تنقید کی ہے۔ گویا ان کے نزدیک پورے مضمون میں لائق توجہ بات صرف یہی ہے کہ کسی جماعت کا لیڈر جماعت میں کیا مقام رکھتا ہے اور وہ بھی غالباً محض جماعت اسلامی کے ضمن میں۔ دوسری جماعتیں جن میں، ان میں بہت سے حضرات شریک ہوتے رہے ہیں اور اب بھی ہیں، تو ان کے ضمن میں مودودی صاحب کا یہ قول غالباً الٹا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ان میں یہ ذوق و شوق کے ساتھ حصہ لیتے رہے ہیں اور لیتے ہیں، درآں حالیکہ ان میں سے بعض کی قیادت پر اسلام کا سرے سے رنگ ہی نہیں آنے پایا ہے، اور بعض جماعتیں جن کو ان کی شرکت کا اعزاز حاصل رہا ہے، ایسی رہی ہیں کہ اس کی قیادت کے صالح و غیر صالح ہونے کی بحث خود علماء ہی کے ایک طبقہ کے نزدیک، شروع سے لے کر اب تک ایک اختلافی مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ اسی ضمن کی ایک پُرلطف کہئے یا افسوس ناک بات یہ ہے کہ ایک مشہور عربی درس گاہ میں ہمارے ایک رفیق جماعت کے خلاف جو وہاں کے ایک قدیم استاد ہیں، محض جماعت سے تعلق کی بنا پر سخت ہنگامہ برپا کیا گیا ہے۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ ان کا تعلق ہی علماء کے طبقہ میں موجودہ ہیجان کا ایک بڑا سبب ہے۔ لیکن آپ کو (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

اس کے متعلق میں نے اپنا جواب اختصار کے ساتھ اصل عریضے میں درج کر دیا ہے لیکن چونکہ ہر فتوے میں اس مضمون کا حوالہ کچھ اس انداز میں دیا گیا ہے کہ گویا ہمارے مخالفین کو ہم پر اعتراض کرنے کے لئے ایک بہت بڑی چیز ہاتھ آگئی ہے، اس لئے میں اس سلسلہ کی چند باتیں مزید عرض کر دینا چاہتا ہوں تاکہ یہ غلط فہمی رفع ہو جائے۔

اگر مولانا مودودی کی ایک یہ بات آپ حضرات کو اتنی پسند آگئی تو یہ ہماری اور مولانا کی بہت بڑی خوش قسمتی ہے۔ اس لئے اپنی اس خوش قسمتی کو برقرار رکھنے کے لئے میں مودودی صاحب کے اس قول کو بعینہ صحیح تسلیم کر لیتا ہوں۔ لیکن اس کے سلسلے میں یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ حضرات نے غور نہیں فرمایا ہے مولانا نے یہ بات گاندھی ازم، خاکسار ازم، فاشنزم اور نازی ازم وغیرہ جیسی تحریکات کے ضمن میں فرمائی ہے، جو اپنے لیڈروں کے دماغ کی پیداوار ہوتی ہیں۔ اسلئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ وہاں کے متعدد اساتذہ اور ذمہ دار لوگ پہلے بھی ملک کی سیاسی وغیر سیاسی جماعتوں میں شریک ہوتے رہے ہیں اور اب بھی ان میں سے مختلف لوگ مختلف جماعتوں میں شریک ہیں لیکن اس سے مدرسے کے نظم وضبط یا اس کی دیندارانہ حیثیت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ لیکن وہاں کے ایک استاد ایک ایسی جماعت میں، جو اقامتِ دین کے لئے قائم ہوئی ہے، اس میں شریک ہو جاتے ہیں تو اس کی شرکت کو اتنا بڑا جرم سمجھ لیا گیا ہے کہ اس استاد کے خلاف ہر طرح کا ہنگامہ کیا جا رہا ہے اور جرم محض یہ ہے کہ وہ جماعتِ اسلامی کا رکن ہے۔ ویسے شخصی طور سے ان کے علم واخلاق یا عقیدہ عمل کے بارے میں کسی کو کوئی شکایت کرنے کی جرأت اب بھی نہیں ہے۔

(تازہ اطلاع یہ ہے کہ ارباب مدرسہ کی طرف سے مولانا موصوف پر بہت زور ڈالا گیا کہ وہ جماعتِ اسلامی سے اپنا تعلق منقطع کر لیں، اور اس کے لئے ترغیب وترہیب کے تمام حربے استعمال کئے گئے لیکن جب ان پر یہ داؤں نہیں چلا تو ان کو انا علیٰ فراقك یا فلاں لمحزونون کہتے ہوئے مدرسے سے رخصت کر دیا گیا۔ بہرحال یہ ایک عبرت انگیز داستان ہے جس سے ہمارے مدرسوں کی موجودہ ذہنیت وحالت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے اس لئے اس واقعہ کی کچھ تفصیلات ہم آئندہ پرچے میں پیش کریں گے۔)

قدرتی طور پر ان میں لیڈروں کو بہت بلند مقام حاصل ہوتا ہے لیکن تحریکِ اسلامی کوئی مودودی صاحب کے دماغ کی پیداوار نہیں ہے، یہ اسلام کی تحریک ہے جو ہزاروں برس پہلے سے موجود ہے اور مودودی صاحب عرف عام میں اس کے لیڈر نہیں ہیں بلکہ اس کے داعی ہیں اور اسلام، جس کے نام پر یہ تحریک قائم ہوئی ہے، وہ حق و باطل کے لئے اپنا خود مستقل ایک معیار رکھتا ہے، اور اسی کو اپنا کر شریک ہونے والے اس میں شریک ہوتے ہیں۔ اس لئے اس میں کسی شخصیت کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہو سکتی کہ اس کے ذاتی خیالات و عقائد معیار حق و باطل بن جائیں، اور یہ بات ہماری روزمرہ کی زندگی میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ایسی حالت میں اس طرح کے اندیشوں میں مبتلا ہو جانا اور اس کی بنا پر نفسِ دعوت کی مخالفت کرنا ہمارے نزدیک کوئی معقول بات نہیں ہے۔ اس اندیشہ کی اگر گنجائش نکل سکتی ہے تو وہاں جہاں شخصیتوں پر زور دیا جاتا ہو اور وہی حق و باطل کا معیار ہوں۔ اب یہ کام ہمارے ناقدین کا ہے کہ وہ ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ شخصیتوں کا سکہ کہاں چلتا ہے۔

اور مانا کہ مودودی صاحب ایک بڑی شخصیت کے مالک ہیں، اس لئے ان کی شخصیت بہرحال کچھ نہ کچھ اثر انداز ہو سکتی ہے، لیکن جب تک کہ یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ وہ خدانخواستہ کوئی غیر اسلامی عقیدہ یا غیر اسلامی سیرت رکھتے ہیں اس وقت تک ان کی شخصیت کا مؤثر ہونا نہ ان کے لئے کوئی عیب کی بات ہو سکتی ہے، اور نہ جماعتِ اسلامی کے لئے اور جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے، ہم ان دونوں باتوں کے لحاظ سے ان میں کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں پاتے، بلکہ بہت سے مخالفین تک بھی ان باتوں میں ان کے مداح ہیں اور اگر ان کے خیالات کے سلسلے میں کچھ لوگوں نے کچھ فرمایا ہے تو وہ زیادہ تر جزئی امور سے متعلق باتیں ہیں جن کا براہ راست اسلامی عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ باتیں بھی محض سنی سنائی باتوں پر مبنی ہیں۔

لیکن ہم بہرحال مودودی صاحب کی طرف سے صفائی کا کوئی حق نہیں رکھتے اور نہ ہم ان کو خطا و نسیان سے مبرا تسلیم کرتے ہیں۔ اس لئے اگر واقعی ان کے عقائد و اعمال میں نقائص پائے جاتے ہوں تو خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا ڈھنڈورا باہر پیٹنے کے بجائے سب سے پہلے ان کو، متعین طور سے، ان سے مطلع کیا جائے اور ان کو اپنی اصلاح کا موقع دیا جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ دلائل سے ثابت کر دیا جائے تو وہ کسی اچھی بات کے قبول کرنے یا اپنی کسی غلطی یا کوتاہی کے اعتراف و اصلاح

میں کوتاہ ثابت نہیں ہوں گے۔ اس کا ان کی طرف سے بارہا اعلان ہوچکا ہے، اور ایک تازہ اعلان ترجمان القرآن کے تازہ پرچے میں بھی شائع ہوا ہے جس میں وہ تازہ فتووں کے سلسلے میں ایک خط کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بہر حال آپ موقع پائیں تو ان صاحبوں کو میرا یہ پیغام پہنچادیں کہ آپ پر میرا اور جماعتِ اسلامی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا، اور عام مسلمانوں کا یہ اخلاقی حق ہے کہ آپ اپنے فتوے کے دلائل و وجوہ بیان فرمائیں۔ ان کی جو بات حق ہوگی، اسے تسلیم کرنے میں ان شاء اللہ دریغ نہ کیا جائے گا۔ اور میں اپنی حد تک یقین دلاتا ہوں کہ مجھے اپنی غلطی تسلیم کرنے میں نہ تامل ہوا ہے، نہ آئندہ ہوگا۔ بشرطیکہ میری غلطی دلائل سے ثابت کی جائے نہ کہ سب و شتم سے۔ اور اگر انھیں کوئی غلط فہمی لاحق ہوئی ہوگی تو اسے دلائل کے ساتھ رفع کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ ترجمان القرآن کے صفحات خدمت کے لئے حاضر ہیں۔"

اس کے بعد انھوں نے ان مخالفین کا تذکرہ کیا ہے جو وقتاً فوقتاً اپنی مجلسوں میں، ان کے اور جماعتِ اسلامی کے خلاف اظہار خیال فرماتے رہتے ہیں، اور اس ضمن میں ان کو پیغام دیا ہے کہ آپ کی شانِ تقویٰ اور جلالت و قدر کے لحاظ سے یہ طریقہ کچھ موزوں نہیں ہے۔ ادنیٰ یہ ہے کہ شخصِ متعلق کو اپنے اعتراضات سے آگاہ فرمائیے۔ تاکہ یا تو اس کی اصلاحِ خیال ہوجائے، یا آپ کی غلط فہمیاں دور ہوجائیں۔ مجھے معلوم ہے کہ ان میں سے اکثر صحاب نے جماعتِ اسلامی کی مطبوعات کو بالاستیعاب نہیں دیکھا ہے، بلکہ یا تو کچھ نیازمندوں سے سنی ہوئی باتوں پر یقین کر لیا ہے یا بعض ہوشیار لوگوں نے خاص خاص عبارتیں پوری ہوشیاری کے ساتھ، انھیں دکھائی ہیں اور انھیں کمزور بنیادوں پر بدگمانیوں کے بڑے بڑے قصر تعمیر کر ڈالے گئے ہیں۔ اگر یہ حضرات کچھ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرکے اور اخلاقی جرأت سے کام لے کر ہمیں اپنے اعتراضات سے مطلع فرمائیں تو ہم پوری کوشش کریں گے کہ ان کو اپنے موقف سے اچھی طرح آگاہ کردیں۔"

(ترجمان القرآن، جلد ۳۶ و ۳۵، عدد ۵ و ۶)

اگر نیت اصلاح و خیرخواہی کی ہو تو اس کا یہ طریقہ کتنا آسان ہے کہ براہِ راست اپنے اعتراضات مولانا کو لکھ دیئے جائیں۔ اس کے لئے عوام میں فتوے بازی کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ ان کے

سلسلے میں ہمیں مخاطب کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ یا تو اپنی غلطی تسلیم کر لیں گے یا اگر کوئی غلط فہمی ہوگی تو تو وہ اس کا ازالہ کر دیں گے لیکن افسوس ہے کہ اس کی بجائے وہی طریقہ زیادہ پسندیدہ سمجھا گیا ہے جو غلط بھی ہے اور ساتھ ہی ساتھ مفسدہ انگیز بھی ــــــــ بہرحال ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور ہمارے مخالفین دونوں کو نفس کی شرارتوں اور شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رکھے اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نئی مطبوعات

مغرب میں اسلام کی دعوت (یو کے اسلامک مشن کی ۲۰ ویں سالانہ کانفرنس میں پڑھا گیا مقالہ)	مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی	۱/۵۰
Islam - Beliefs and Teachings	غلام سرور	۱۵/-
Meaning and Significance of Dawah Ila-Allah (A guide to the propagation of Islam)		۱۰/-
معاشرۃ النبیؐ	متین طارق	۲۵/-
Woman in Islam	عائشہ لیموٴ فاطمہ ہیرین	۴/-
Islamic Movement - Pre-requisites for Success	سید ابوالاعلیٰ مودودی	۵/-
Life of Muhammad	پروفیسر عبدالحمید صدیقی	۲۵/-
مولانا مودودیؒ کے معاشی تصورات	محمد اکرم خاں	۱۴/-
آپ کی شخصیت اور اس کا ارتقاء	پروفیسر ملک عطا محمد	۱۰/-
علامہ اقبالؒ سے مولانا مودودیؒ تک	پروفیسر عمر حیات خاں غوری	۱/۲۵
حرمت سود	مولانا مودودیؒ	۲/-
رحمۃ للعالمینؐ (مقدمہ محسن انسانیت)	مولانا مودودیؒ	۱/۲۵
Islamic System of Justice	عبدالقادر عودہ شہیدؒ	۱۵/-
Punishment in Islamic Law (A Comparative Study)	by Mohd. S. El-Awa	۳۵/-
قرآن الماضی، حال و مستقبل	سید مشتاق حسین	۱۰/-
Islamic Revival and 15th Century Hijrah	پروفیسر سجاد احمد	۲/-
محمد عربی (ہندی)	عنایت اللہ سبحانی	۲۵/-
معلومات قرآن	اصغر علی چوہدری	۴/۵۰

مرکزی مکتبہ اسلامی
دھلی